ابھی راستوں پہ گرفت ہے

سارا ثنوبرین

Digest Novels Lovers Group

تیرے بغیر بھی اکثر دکھا ہے دل اپنا
کہ جلتے چہرے تھے سب تیرے خدوخال کے تھے
ہزار غم تھے تیرے غم سے ماورا لیکن
وہ زندگی کے نہ تھے صرف ماہ و سال کے تھے

''اسٹاپ اٹ......اوکے' جسٹ اسٹاپ اٹ۔'' وہ اتنے ہذیانی انداز میں چلائی کہ غصے اور نفرت سے بے حال وصان اپنی جگہ سن ہوکر اسے دیکھنے لگا۔ بلیک پینٹ پر آف وائٹ ڈھیلی ڈھالی شرٹ زیب تن کیے وہ غصے سے کانپ رہی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی سرد ہوا کے جھونکوں سے اڑتے ریشمی بال گالوں کو چھورہے تھے۔ روشن سیاہ آنکھوں میں غصہ ہی غصہ ہلکورے لے رہا تھا۔ شام کے دھندلکے قدرے گہرے ہورہے تھے۔ جنگل میں ایک عجیب سا ارتعاش پیدا ہوگیا تھا۔ اریشہ خان کے خوب صورت گلابی ہونٹوں سے خون تیزی سے بہہ رہا تھا' جسے وہ بڑی بے دردی سے ہتھیلی کی پشت سے وقتاً فوقتاً صاف کررہی تھی۔

''میں یہاں سے بھاگ جاؤں گی مسٹر۔ دیکھ لینا' تم......تم میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکتے۔ سمجھے تم۔'' نفرت اور ہذیان سے وہ چلائی تھی۔ وصان نے کھوکھلا قہقہہ لگایا۔

''بڑا غرور ہے تمہیں خود پر۔ چیز کیا ہوتم؟'' ستارہ سی چمکتی سیاہ آنکھوں میں حد درجہ حقارت اور تمسخر تھا۔

''دیکھوتم میرے بابا کو جانتے نہیں ہو۔ دعا کرو' کبھی ان کے ہاتھ نہ لگو ورنہ تمہارے اس خوب صورت چہرے کا ایسا حشر کردیں گے کہ خودتم پہچاننے سے انکاری ہوجاؤ گے۔'' اس کی طنزیہ مسکراہٹ نے گویا سلگا ڈالا تھا۔

''ہوں۔ بڑی آئی بڑے باپ کی بیٹی۔ جس کے بزدل باپ میں پیار کرکے دنیا کو بتانے کے لیے ذرا سی بھی ہمت نہ تھی' جس نے پیار کے خوش رنگ خواب میری آپو کی آنکھوں میں بھرے۔ لیکن جس کے نام کی مہندی کسی اور کے ہاتھوں میں لگی۔ تم نے اداس آنکھوں میں زندگی کو تڑپتے دیکھا ہے؟ نہیں ناں...... مگر میں نے دیکھا ہے...... اپنی آپو کی کسی ٹھہرے ہوئے اداس سمندر کی طرح ویران آنکھوں میں......

میں نے ان کے گلاب ہونٹوں پہ مسکراہٹوں کے ڈھیروں پھول مرجھاتے دیکھتے ہیں۔ انہیں زندگی کی گود میں پل پل موت کے لیے مچلتے دیکھا ہے اور اب......اب میں تمہارا بھی وہی حشر کروں گا کہ تم بھی زندگی کی گود میں پل پل موت کے لیے دعا گو رہو گی۔ تمہارے بزدل باپ کی کھٹور محبت نے میری معصوم آپو کو تو لحد کے تاریک گڑھے میں اتار دیا لیکن میرے اندر انتقام کے شعلے ابھی جل رہے ہیں۔ تم لوگوں نے مجھ سے میری خوشیاں، میرے خواب، یہاں تک کہ ماں باپ کے بعد میرے جینے کا واحد سہارا، میری آپو تک کو چھین لیا۔ اب دیکھنا...... میں تم لوگوں کی زندگیوں میں کس قدر زہر گھولتا ہوں، سمجھیں تم۔'' نہایت غصیلے انداز میں وہ دہاڑا۔

''یہ غلط ہے۔ میرے پاپا بے قصور ہیں۔ انہوں نے تمہاری پھوپو کو چاہا ضرور تھا، لیکن انہیں گھر سے بھگانے کا ان کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ وہ خود بھاگ کر پاپا کے پاس آئی تھیں کیونکہ تمہارے پاپا اور دادا جی زبردستی ان کی شادی اپنے خاندان میں کسی ایسے شخص سے کرنا چاہتے تھے جنہیں وہ قطعی پسند نہ کرتی تھیں۔'' مچل کر اس نے وضاحت پیش کی تو گویا وہ بپھر گیا۔

''اور...... تمہارے باپ نے...... اس نے انہیں کیا دیا؟ شادی کے جھوٹے وعدے، ناکام محبت کی تسلیاں، جنہیں وہ ساری عمر سینے سے لگائے سلگتی رہیں اور تمہارے بزدل باپ نے بڑی ہوشیاری سے خاندانی مجبوریوں کا راگ الاپ کر ان سے منہ پھیر لیا۔ کبھی سوچا اس نے کہ ان کا کیا بنا ہوگا؟ وہ ایک عزت دار سیدھی سادی، معصوم عورت، جس نے پیار کے مان میں اپنا گھر بار تک چھوڑ دیا تھا، کہاں گئی ہوگی وہ۔ کیا حشر ہوا ہوگا اس کا؟ بڑا بدنصیب تھا تمہارا باپ۔ ارے جس نے ایسی وفا کی دیوی کو ٹھکرا دیا جس نے اس کی بے وفائی کا زہر پی کر بھی سدا اس کی کھوکھلی محبت کا بھرم رکھا، جس نے کبھی آہ تک نہ کی۔ اندر ہی اندر ہر زخم کو پالتی رہیں لیکن کسی کو کچھ بتایا نہیں... مجھے بھی نہیں...... میں جو ان کی جان تھا، جسے انہوں نے ممی کے بعد اپنے سینے سے لگا کر پالا۔ مجھے تو ان کی عبرت ناک موت کی اصل وجہ شاید عمر بھر معلوم نہ ہوتی اگر میں ان کی ڈائری نہ پڑھ لیتا۔ آہ...... اے کاش! میں ان کی زندگی میں ہی، ان کے مجرم کو خون کے آنسو رلا کر ان کے سامنے پیش کر سکتا۔ انہیں دکھا سکتا کہ دیکھیں، ان کے وصی نے ان کے ایک ایک زخم کو اپنے ہونٹوں سے چن لیا ہے۔'' اپنی ہی رو میں بولتا وصی اسے کوئی خبطی ہی لگا۔ لیکن اپنے محبوب پاپا کی تذلیل نے اسے سلگا دیا تھا اور وہ چیخ اٹھی تھی۔

لیکن اس میں میرا کیا قصور ہے؟ مجھے کس چیز کی سزا دے رہے ہو تم؟'' آنسو پھر گالوں پر لڑھک آئے۔ آواز بھیگ گئی۔

''آج نکاح کا فنکشن تھا۔ تمہارے اس محل سے گھر میں، دلہن صاحبہ کی اچانک گمشدگی نے کیسی ہلچل مچادی ہوگی سارے گھر میں۔ اور وہ...... وہ تمہارا بوڑھا باپ، وہ تو بے موت ہی مر گیا ہوگا...... لوگوں کی ہمدردی کی آگ میں بجھے زہریلے الفاظ سن کر۔۔۔ اف کتنا مزہ آئے گا، جب تم واپس اپنے گھر جاؤ گی اور لوگ تم پہ تھوتھو کریں گے۔ تمام عمر مونگ دلو گی تم اپنے باپ کے دل پر اور تمام عمر اس کی آنکھوں سے جو آنسو بہیں گے، ان سے میرے سینے میں دہکتا انتقام کا لاوا ٹھنڈا ہوگا۔ قصور پوچھتی ہو تم اپنا...... تو سنو...... تمہارا قصور یہ ہے کہ تم اس فریبی انسان کی واحد اولاد ہو جس نے میری آپو کو تا عمر سلگایا۔ انہیں بے قصور ساری برادری میں رسوا کیا اور جس سے میں سب سے زیادہ نفرت کرتا ہوں، سمجھیں تم؟'' روشن آنکھیں غصے کی آگ میں دہک رہی تھیں۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ کاٹیج سے باہر نکل گیا تو بے بسی سے ہونٹ کاٹتی اریشہ خان وہیں کاٹیج کے ایک کونے میں ٹک گئی۔ گھر والوں کی یاد شدت سے آنے لگی، جانے اس کے یوں اچانک

غائب ہوجانے نے پاپا جی کو کتنا گہرا شاک پہنچایا ہوگا۔ جانے صارم بھیا پریشانی میں اسے کہاں کہاں تلاشتے پھر رہے ہوں گے۔ دعا بھابی مسلسل آنسو بہاتی‘ اس کے لوٹ آنے اور مل جانے کے لیے کتنی بے قرار ہوں گی۔ اوہ خدا! میں کیا کروں؟ ان کے تو وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگا کہ مجھے کڈنیپ کرنے والا کوئی اور نہیں‘ ان کا چہیتا وصان ہوگا۔ جس پر پاپا سب سے زیادہ اعتبار کرتے ہیں۔ پورا آفس جس کے رحم وکرم پر چھوڑ رکھا ہے۔ اس واقعے سے قبل وہ خود اس کے اس بھیانک روپ سے کب واقف تھی؟

digest library.com

کاٹیج میں ضرورت کی ہر چیز کی دستیابی اس بات کی شہادت تھی کہ اس کے اغوا کا پلان کئی روز قبل ہی طے پا گیا تھا۔ شاید تب سے‘ جب پاپا نے اس کی اور کاشان کی باقاعدہ انگیجمنٹ کا اعلان کرتے ہوئے نکاح کی رسم ٹھیک ایک ہفتے بعد طے کی تھی کیونکہ اس کے فوراً بعد کاشان کو اپنا ایم ایس سی فائنل ایئر کلیئر کرنے لندن فلائی کرجانا تھا۔ لیکن یہ اچانک حالات نے کیسا پلٹا کھایا تھا۔ اف‘ سب میرے لیے کس قدر فکرمند‘ کتنے پریشان ہوں گے۔ بے بسی سے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر وہ سسک پڑی۔ ”خدا کرے تم مرجاؤ وصان۔ خدا کرے تمہیں کل کا دن دیکھنا نصیب نہ ہو۔“ سسکتے لبوں سے بددعائیں نکلیں اور وہ ہچکیوں میں گھر گئی۔

موسم میں خنکی بہت بڑھ گئی تھی۔ وصان کا کچھ پتا نہ تھا کہ کہاں گیا ہے اور کب واپس لوٹے گا۔ جوں جوں شام گہری ہوتی جارہی تھی‘ ویسے ویسے ہی یہاں سے فرار ہونے کا منصوبہ اس کے دل میں ہلچل مچا رہا تھا۔ اس قدر سنسان جنگل کی تنہائی اور جنگلی درندوں کا خوف الگ جان خشک کررہا تھا۔ جھونپڑے ہی میں ایک سائیڈ پر رکھی شال اس نے اپنے اردگرد لپیٹ لی اور ایک کونے میں ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ تھکن اور نقاہت نے جانے کب اسے نیند کی وادیوں میں دھکیل دیا۔

وصان واپس آیا تو وہ اسی پوزیشن میں بیٹھی سو رہی تھی۔ دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔ جانے وہ کب تک اسے یونہی بلامقصد دیکھتا رہا۔ کہی نہی لیکن حقیقتاً بولڈسی یہ خوب صورت لڑکی اسے اس وقت بھی بے حد اچھی لگی تھی‘ جب وہ اپنی ڈیوٹی کے پہلے دن اس کے آفس میں خان سیف اللہ خان کے ساتھ اس سے ملا تھا۔ سیف اللہ خان سے ملنا‘ ان کا اعتماد جیتنا تو اس کے انتقام اور اس کے مقصد کا حصہ تھا لیکن اس خوب صورت چہرے سے ملنا تو محض اتفاقیہ ہی تھا اور وہ...... وہ تو جانے کب سے چپکے ہی چپکے دل ہی دل میں اسے چاہنے لگا تھا۔ محبت کررہا تھا اس سے۔ اسے تکلیف پہنچانے کا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور بظاہر اس کا ایسا کوئی ارادہ بھی نہ تھا اگر سیف اللہ خان اس کی زندگی کا فیصلہ اتنی جلدی کسی اور سے وابستہ کرکے نہ کرتے۔ اسے کڈنیپ کرنے‘ اپنے تڑپتے مچلتے دل کو تشفی دینے اور سیف اللہ خان کو چوٹ پہنچانے کا خیال تو اچانک ہی ذہن میں آسمایا تھا۔ سب کچھ کسی انجانی سی قوت کے تحت خودبخود ہوتا چلا گیا تھا۔ لیکن صبح اس کے زبردست تھپڑ کے باعث اریشہ خان کے خوب صورت ہونٹوں سے بہنے والے خون نے اسے ایک پل کے لیے تو تڑپا کے رکھ دیا تھا لیکن اس نے خود پر ضبط کیے رکھا۔ اگر وہ ذرا سا بھی نرم پڑجاتا تو اس شخص سے انتقام لینا بہت مشکل ہوجاتا جسے اس نے ہمیشہ قابل نفرت جانا تھا۔ آنکھوں کے حلقے میں اس کا خوب صورت سراپا لیے اس سے قدرے فاصلے پہ وہ خود بھی سونے کی کوشش کرنے لگا۔

اریشہ کی آنکھ اچانک کھلی تو جنگل ابھی ملگجے سے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ ڈبڈبائی آنکھوں سے اس نے ادھرادھر دیکھا۔ کاٹیج میں سوائے اس کے اور کوئی نہ تھا۔ پاپا جی‘ دعا بھابی‘ صارم بھیا اور کاشان کے چہرے

جونہی نگاہوں میں گھومے' وہ ہر قسم کے خوف وخطرے سے جیسے بے نیاز ہوگئی۔ شال وہیں جھونپڑے میں پھینک کر تیزی سے باہر نکل آئی۔ احتیاط سے دوڑتی ہوئی وہ پہاڑی ٹیلے سے نیچے اتر آئی جس پہ محفوظ کاٹیج تعمیر کی گئی تھی۔ پرپیچ راستوں کو بڑی چابکدستی سے عبور کرتی وہ کافی آگے نکل آئی۔ صبح کاذب کا اندھیرا اور اکیلے پن کا خوف گھر بہ حفاظت پہنچ جانے کی شدید تمنا پر قطعی حاوی نہ تھا۔ گو درست راستے کا علم نہ تھا لیکن وہ مسلسل بھاگ رہی تھی۔ فی الحال' اس وحشی انسان کی پہنچ سے دور ہوجانا چاہتی تھی۔ پاؤں میں نازک سی سینڈل کے باعث تیز دوڑنے میں کافی دشواری پیش آرہی تھی لیکن ارادے کی پختگی میں کوئی کمی نہ آئی۔ یہاں تک کہ وہ کئی بار گر بھی پڑی تھی۔
ایک یقین تھا' موہوم سی امید تھی' بہ حفاظت گھر پہنچنے کی جو اسے مسلسل باحوصلہ رکھے ہوئے تھی۔ ابھی وہ آگے بڑھنا ہی چاہتی تھی کہ ایک موٹا تازہ دھاری دار سانپ' درخت سے لڑھکتا' اس سے کچھ فاصلے پہ سامنے ہی آگرا۔ اس اچانک افتاد پر وہ اپنی بے ساختہ نکلنے والی فلک شگاف چیخ کو روک نہ پائی۔ سنسان جنگل اس کی زبردست چیخ سے گونج کر رہ گیا تھا۔ مارے خوف کے اس نے آنکھیں میچ لیں۔ تب ہی چرمرائے پتوں میں آہٹ پیدا ہوئی۔ مارے خوف کے وہ پسینہ پسینہ ہوگئی۔ ٹانگیں الگ کانپ رہی تھیں۔ دل کی دھڑکنیں بری طرح منتشر تھیں۔

''بڑا شوق ہے تم باپ بیٹی کو بھاگنے اور بھگانے کا۔ چلو واپس۔'' وصان کی مانوس رعب دار آواز جونہی ساعتوں سے ٹکرائی' اس کا خوف دوچند ہوگیا۔ نازک ہاتھ اس کے بھاری مضبوط ہاتھ میں مقید تھا۔

''تو گویا میں کبھی گھر واپس نہیں جاسکوں گی۔ نہیں نہیں...... ایسا نہیں ہوسکتا۔'' یکدم ہی اس کے اندر جیسے کوئی چلایا اور اس نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر بھاگنا شروع کردیا۔ وصان بھی پیچھے لپکا۔ وہ اندھا دھند بھاگنے لگی تھی۔ وصان کو اسے دوبارہ قابو میں کرنے کے لیے خاصی محنت کرنا پڑی۔ لمبے سیاہ ریشمی بال اس کی مٹھیوں میں تھے۔ پے در پے تھپڑوں کی برسات نے اسے ادھ موا کردیا تھا۔ پل ہی پل میں آنکھوں کے آگے جیسے اندھیرا چھانے لگا اور وہ بے ہوش ہوکر اسی کے بازوؤں میں جھول گئی۔

صبح خاصی روشن تھی۔ دن کا اجالا ہر طرف پھیل چکا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن نقاہت نے یہ کوشش ناکام بنادی۔ وہ دو دن سے بالکل خالی پیٹ تھی۔ پانی کے چند گھونٹوں کے سوا حلق سے کوئی چیز نیچے نہ اتری تھی۔ بھوک کے مارے آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کھانے پینے کی کوئی چیز کہیں دکھائی نہ دے رہی تھی۔ تب ہی وہ اندر کاٹیج میں داخل ہوا۔ مکمل بلیک پینٹ شرٹ میں اس کا خوب صورت سراپا نہایت دل کش لگ رہا تھا۔ روشن کشادہ پیشانی پہ ریشمی سیاہ بال بری طرح بکھرے ہوئے تھے جسے وہ سلیقے سے دائیں ہاتھ سے سنوار رہا تھا۔

''ہوں۔ اب آرام ہے؟ بہت شوق ہے تمہیں بھاگنے کا۔ دیکھ لیا بھاگنے کا انجام؟'' بڑی بڑی روشن غلافی آنکھوں میں تمسخر ہی تمسخر تھا' جبکہ گھنی مونچھوں تلے دبے گلابی گداز ہونٹوں پہ طنزیہ مسکراہٹ پھیلی تھی۔

''تم کچھ بھی کرلو جنگلی انسان...... لیکن میں یہاں زیادہ دن رہنے والی نہیں...... دیکھ لینا تم...... میں تمہاری اصلیت سب کو بتا کر رہوں گی۔'' غصے سے وہ پھنکاری۔ وصان کے قہقہے نے دیر تک اس کی بے بسی کا مذاق اڑایا۔

''بات سنو۔ میں ذرا گھر جارہا ہوں۔ تمہارے باپ اور بھائی کو تسلی دینے۔ جلد واپس آجاؤں گا۔ لیکن اس دوران اگر تم نے زیادہ ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو یاد رکھنا' نتائج کی ذمے داری صرف تم پہ ہوگی کیونکہ یہ جنگل خطرناک جنگلی جانوروں سے بھرا

رہا ہے۔ یہ جگہ' جہاں اس وقت تم مقید ہو فی الحال کافی محفوظ ہے۔ آگے جیسی تمہاری مرضی۔ سنا ہے' تمہارا بوڑھا باپ اسپتال میں داخل ہے۔ زبردست اٹیک ہوا ہے دل پر۔ جب اسے خبر ملے گی کہ اس کی چہیتی کیسی بے دردی سے جنگلی جانوروں کی خوراک بن گئی تو بے چارہ موت سے پہلے ہی مر جائے گا...... ہے ناں؟'' روشن آنکھوں میں چمکتی مسکراہٹ اسے سخت زہر لگی۔ پاپا جی کی تشویش ناک حالت نے الگ دل ہلا کر رکھ دیا تھا۔ جھیل سی خوب صورت آنکھیں بھر بھر آئیں۔

digest library.com

''کیوں؟ دکھ ہوا نا یہ سن کر؟ کیا کروں...... قدرت کو یہی منظور ہے۔ بس اب تو یہ قید تنہائی بھی تھوڑے ہی دنوں کی ہے۔ جیسے ہی ڈاکٹر نے اسے کسی بھی قسم کے شاک سے دور رکھنے کی تلقین کی' اسی دن' تمہیں لے جا کر پھینک آؤں گا اس کے سامنے...... کہو کیسا لگا' یہ آئیڈیا؟'' مسکراتے ہونٹوں اور آنکھوں میں حد درجہ سنگ دلی تھی۔ اریشہ نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

''کیوں' آئیڈیا اچھا نہیں لگا؟'' وہ اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔ اتنا قریب کہ وہ باوجود کوشش کے بھی خود کو اس کے سینے سے لگنے سے دور نہ رکھ پائی۔ نازک سا کومل وجود مضبوط بازوؤں کے شکنجے میں پھنسا تھا۔ گرم گرم بہکی سانسوں میں اسے اپنا چہرہ جلتا محسوس ہوا۔ وہ پسینہ پسینہ ہوگئی۔ ایک کمزور سی لڑکی بھلا اتنے مضبوط' طاقتور شخص سے اپنا دفاع کیسے کرنے میں کامیاب ہوتی۔

''دیکھو...... مجھ سے دور رہو۔ میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔'' نہ چاہنے کے باوجود آواز بھیگ سی گئی۔

''ارے...... کیا کہا تم نے۔ تم ایسی لڑکی نہیں ہو' تو کیسی لڑکی ہو۔ بتاؤ مجھے۔ کم آن۔ بتاؤ کیسی لڑکی ہو تم؟'' اسے جھٹک کر خود سے الگ کر کے وہ ترشی سے بولا تو اریشہ نے ایک زبردست تھپڑ غیر ارادی طور پر ہی اسے جڑ دیا۔

''ایسی لڑکی ہوں میں۔ آئی سمجھ؟'' خوب صورت چہرہ غصے سے دہک اٹھا تھا۔ بس نہ چلتا تھا' یہ اس وحشی کا خون کردے جو بلاوجہ اسے ٹارچر کر رہا تھا۔

''تمہاری اس کم ذات آپو سے تو کچھ اچھی ہوں۔ کسی کے ساتھ گھر سے بھاگی تو نہیں۔'' جانے کیوں دل کا زہر زبان تک آ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی وصان کے لگاتار تھپڑوں نے اسے گھما ڈالا۔

''ذلیل عورت...... آپو کی گالی دیتی ہو مجھے......؟ دیکھنا آج کے بعد میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ دنیا تم پہ تھو تھو کرتے پھریں گے۔ موت مانگو گی تم موت بھی نہیں ملے گی۔ سنا نہیں تم؟'' اریشہ نے اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھا تھا۔ ایک جھٹکے سے اسے دھکا دیتا' وہ تیز تیز چلتا جھونپڑے سے باہر نکل گیا۔

بھوک کی تکلیف' نقاہت اور تھپڑوں کے درد نے اس کا جوڑ جوڑ جیسے توڑ کے رکھ دیا تھا۔ شام کے سائے جونہی قدرے گہرے ہوئے تیز بخار نے اسے بے حال کر دیا۔ خشک لبوں پہ بار بار زبان پھیرتی وہ بمشکل انہیں تر رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وصان واپس پلٹا تو وہ تیز بخار میں پھنک رہی تھی۔ لمبے ریشمی بال بے ترتیب بکھرے تھے۔ سردی کے مارے جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔ آنکھیں جو نقاہت سے بند تھیں' سوجی سوجی سی لگ رہی تھیں۔ خوب صورت سرخ و سفید چہرے پہ اس کی انگلیوں کے نشان اب بھی واضح تھے۔ بے اختیار ہی وہ اسے دیکھے گیا۔ ہلکے سے اس کی پیشانی کو چھوا تو ہاتھ جیسے جلتے توے پر رکھ دیا ہو۔ وہ تو خطرناک حد تک بخار کی لپیٹ میں تھی۔ لاکھ غصہ سہی' لیکن وہ بہرحال اسے مارنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ برتن لے کر تیزی سے نیچے کی طرف بہنے والی ندی پر گیا۔ پانی لے کر واپس آیا تو وہ آنکھیں کھولے' بے بسی سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

''میرے خیال سے تمہیں کچھ بخار ہے۔ کچھ پہلے

وغیرہ دیتا ہوں۔ انہیں کھا کر یہ بخار کی ٹیبلٹس لے لو' جو میں گھر سے واپسی پر اپنے لیے لایا تھا اور یہ کمبل بھی اچھی طرح لپیٹ لو۔ یہ مت سمجھنا کہ میں ہمدردی میں مرا جا رہا ہوں بلکہ میں تمہاری فضول ذات کے قتل کا بوجھ اپنی روح پر بار رکھنا نہیں چاہتا۔'' پتا نہیں وہ احسان جتا رہا تھا یا اپنی نفرت کا اظہار کر رہا تھا۔ اریشہ کے حلق میں غم کا پھندا سا پھنس گیا تھا۔

''نہیں چاہیئے۔ مجھے تمہاری دی ہوئی کوئی بھی چیز۔ یونہی بھوک سے مر کے جان دے دوں گی میں۔'' وہ جتنی شدت سے چلائی تھی' لہجہ اتنا ہی بھیگ گیا تھا۔ کب سے رکے آنسو گالوں پر پھسل پڑے تھے۔ وصان کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''چچ' چچ۔ پہلے تو بڑی بہادری دکھا رہی تھیں۔ کیا ہوا' ایک ہی دن میں ساری اکڑ فوں نکل گئی۔'' مسکراتے ہونٹ اسے اپنی بے بسی کا مذاق اڑاتے محسوس ہوئے۔ ''سیدھے سیدھے کھانا ہے تو کھالو ورنہ میری طرف سے جہنم میں جاؤ۔'' یکدم ہی دوٹوک لہجے میں کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا اور تیزی سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

وہ واپس آیا تو تمام چیزیں اسی طرح رکھی تھیں۔ البتہ اریشہ بخار اور نقاہت سے نڈھال تھی۔ دن کا خوب صورت اجالا رات کی تاریکی میں ڈھل چکا تھا۔ سردی کا احساس کافی بڑھ گیا تھا۔ کاٹیج سے باہر ہی اس نے گھاس پھونس اور درختوں کی چند سوکھی شاخیں جمع کر کے آگ جلانا شروع کر دی۔ ساتھ ہی ساتھ لائی ہوئی مچھلی بھی بھون رہا تھا۔

''سنو پلیز! پلیز رحم کرو مجھ پر۔ مجھ سے اب اور تکلیف برداشت نہیں ہو رہی۔'' آواز پھر بھیگ گئی۔ حالانکہ لندن سے واپسی پر کاشان نے اسے دیکھتے ہی کانوں کو ہاتھ لگا لیے تھے۔ اس کی ڈھٹائی اور بولڈنیس پر وہ بے حد چڑ جاتا تھا۔ مجال ہے جو وہ کسی بات کو سیریس لے لے۔ اور اب عالم یہ تھا کہ بار بار آنکھیں بھیگ جاتیں۔ وصان نے ایک اچٹتی سی نظر اس کے نڈھال سراپے پر ڈالی۔

''یاد رکھنا' اس کے بعد اگر تم نے یہاں سے فرار ہونے کا تصور بھی کیا تو یہیں قتل کر دوں گا' آئی سمجھ؟'' اس کی قابل رحم حالت کے باوجود بھی وہ سنگ دل اس سے نرمی برتنے کا روادار نہ تھا۔ وہ پھر سے باہر آ کر آگ تاپنے لگا۔

اریشہ کمبل اچھی طرح لپیٹ کر بے بسی سے ہونٹ کاٹنے لگی۔ سوجے ہوئے چہرے کی تکلیف بے حد شدید تھی۔ لیکن بھوک کی تکلیف اس سے بھی بڑھ کر تھی۔ پیٹ کی آگ نے انا' غصہ سب بھلا ڈالا۔ بے بس ہو کر وہ پاس پڑا سیب اٹھا کر کھانے لگی۔ وصان نے اچانک ہی سر اٹھا کر ایک مسکراتی سی نظر اس پر ڈالی پھر دوبارہ اپنے کام میں لگ گیا۔

اریشہ سب کچھ پس پشت ڈال کر فی الحال پیٹ پوجا میں مصروف تھی۔ وہ جان چکی تھی کہ اگر بھوک یا بیماری نے اسے ختم بھی کر ڈالا' تب بھی اس جنگلی انسان کو کوئی فرق نہیں پڑنے والا' پھر خواہ مخواہ اسے جتانے یا اکڑ دکھانے کا فائدہ؟ وہ کون سا ہمدرد دوست تھا جسے اس کی فکر ہوتی اور وہ اسے منت کر کے کھلاتا۔ زندگی نے بھی کتنی بے رحمی سے عجیب تکلیف دہ دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا اسے۔ بھوک کی تکلیف مٹتے ہی نینداس پر غالب آنا شروع ہو گئی اور وہ اچھی طرح کمبل لپیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

رات کے کسی پہر اچانک اس کی آنکھ کھلی تو اسے اپنے چہرے پر رینگتی انگلیوں کا لمس محسوس ہوا۔ گھبرا کر پٹ سے اس نے دونوں آنکھیں کھولیں تو وصان کو قریب پایا۔ جو اس کے چہرے پر لگے زخموں کو جانچ رہا تھا۔ اسے آنکھیں کھولتے دیکھا تو فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ غم و غصے سے وہ بے حال ہو گئی۔

''بس یہی ہے تمہارا کردار' انتقام کی آڑ میں اپنی ذاتی ہوس کے لیے معصوم لڑکیوں کو کڈنیپ کرنا اور پھر

ان کی بے ہوشی کا فائدہ اٹھا کر اپنا الو سیدھا کرنا۔“ نفرت سے کانپتی آواز پر وصان نے چونک کر اسے دکھا۔ پھر اس نے جو کچھ کیا‘ وہ اس کی برداشت سے باہر تھا۔ لاکھ دل کا معاملہ سہی لیکن اپنے کردار پر چوٹ اسے قطعی گوارا نہ تھی۔ سو بھاری بھرکم ہاتھ پھر ان خوب صورت نازک گالوں پر برس پڑا۔ سیاہ ریشمی بال مٹھیوں میں جکڑے وہ غم و غصے سے کھول اٹھا۔

”میرے کردار کو چیلنج کررہی ہو تم...... تم کیا سمجھتی ہو۔ کیا اتنی سستی خواہشات ہیں میری...... سوری میڈم‘ میرا ٹیسٹ اتنا گھٹیا نہیں۔ میرا مقصد صرف تمہارے باپ کو شاک پہنچانا ہے اور بس۔ تمہارے بزدل باپ کی طرح عورتوں کی زندگیوں سے کھیلنا میرا مشغلہ نہیں ہے۔“ گہری کاری ضرب لگی تھی‘ اس کے دل پر‘ کہ وہ پھٹ پڑا تھا۔ اریشہ قدرے سہم کر اسے دیکھے گئی جو بے چینی سے ہونٹ کاٹتے اور کچھ سوچتے‘ اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا تھا۔ پھر جیسے کسی فیصلے پر پہنچ کر وہ ٹھہر گیا۔ دھیرے دھیرے چلتا اس کے قریب آیا۔ کچھ دیر دو زانو بیٹھ کر اس کی خوب صورت گہری آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔

”چلو۔ ابھی اور اسی وقت تمہیں تمہارے باپ کے گھر چھوڑ کر آؤں گا۔“ عجیب سا کٹیلا انداز تھا اس کا۔ اریشہ کی آنکھیں مارے حیرانی کے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اسے اپنی سماعتوں پر یقین ہی نہ آیا۔ پتا نہیں وہ واقعی اتنا باکردار تھا یا بننے کی کوشش کررہا تھا۔

”نہیں۔ اس وقت مناسب نہیں ہوگا۔ صبح دن نکلنے سے قبل چلیں گے۔“ اس کی آنکھوں میں کھوئی ہوئی وہ کچھ ایسے انداز میں بولی‘ جیسے اسے شاپنگ کے لیے آفر کی گئی ہو۔ وصان نے سرسری سی نظر اس پر ڈال کر رخ پھیر لیا۔ اریشہ ابھی تک یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں الجھی تھی۔ بقیہ ساری رات آنکھوں میں کٹی۔

صبح دن کا اجالا پھیلنے سے قبل ہی وہ اسے لے کر جھونپڑے سے باہر نکل آیا۔ نازک ہاتھ اس کی مضبوط گرفت میں تھا۔ ہونٹوں پر مسلسل خاموشی کا قفل ڈالے وہ تیزی سے جنگل کے پرپیچ راستوں کو کراس کرتا آگے بڑھ رہا تھا۔ کئی بار وہ الجھ کر گری لیکن وصان نے سہارا نہیں دیا۔ مسلسل آدھا گھنٹا ایسے ہی ویرانے کو عبور کرنے کے بعد انہیں کچھ فاصلے سے اونچائی پر شہر جانے والی سڑک نظر آگئی۔ تیزی سے ڈھلوان پر چڑھتے ہوئے وہ اوپر سڑک پر پہنچ گیا۔ لیکن اریشہ کے لیے یہ بہت مشکل تھا۔ وہ بار بار چڑھنے کی کوشش کرتی اور بار بار پھسل کر گر پڑتی۔ ناچار وصان کو اسے سہارا دے کر اوپر لانا پڑا۔ کتنی ہی دیر وہ وہاں سڑک پر گاڑی کے منتظر رہے۔ خدا خدا کرکے بس آئی تو وصان اس کا ہاتھ تھام کر بس میں سوار ہوگیا۔ اسے سیٹ پر بٹھا کر وہ خود کھڑا ہی رہا۔ ہونٹوں پر مسلسل خاموشی اب بھی تھی۔ البتہ آنکھیں بہت اداس لگ رہی تھیں۔ اسے سفر کا احساس بھی نہ ہوا کہ گاڑی رک گئی۔ اسے اس کے گھر کے قریب اتار کے وہ کچھ دیر کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ پھر بنا کچھ کہے سنے تیز تیز قدم اٹھاتا اس سے دور ہوتا گیا۔ آنسوؤں سے بھری آنکھیں لیے وہ تقریباً بھاگتی ہوئی گیٹ کھول کر گھر میں داخل ہوئی۔ خوب صورت لان‘ دیوار و در ہر چیز سے اداسی اور ویرانی ٹپک رہی تھی۔

”پاپا جی...... بھابی...... کہاں ہیں آپ؟“ مارے وحشت کے وہ چلا اٹھی۔ تبھی برآمدے میں دعا بھابی کی صورت نظر آئی اور وہ بھاگ کر ان سے لپٹ گئی۔ دعا بھابی خود اسے دیوانوں کی طرح چوم رہی تھیں۔

”ارشی...... میری جان...... کہاں چلی گئی تھیں‘ تم بنا بتائے۔“ آنسوؤں نے آنکھیں جل تھل کردی تھیں۔ کچھ دیر سنبھل کر اریشہ نے ساری داستان ان کے گوش گزار کردی۔ دعا کو زبردست شاک لگا۔ وصان ایسی حرکت اتنے نازک موقع پر کرسکتا ہے۔ اس بات کا تو انہیں گمان بھی نہ تھا۔ حیرت سے اپنی

digest library.com

آنکھیں پھاڑے وہ اسے سنتی رہیں۔
''بھابی...... پاپا جی کیسے ہیں اب؟ صارم بھیا' کاشی کیا حال ہے ان کا؟'' مچل کر آنسو صاف کرتے اس نے پوچھا۔
''ابو کو دل کا زبردست اٹیک ہوا ہے ارشی...... تمہارے بھیا ان کے پاس اسپتال میں ہیں...... اور وہ کاشی...... اس نے مسلسل تین روز سے بنا کچھ کھائے پیے خود کو کمرے میں قید کر رکھا ہے' نہ کسی سے بولتا ہے' نہ ہی کچھ کہتا ہے۔ پرسوں اس کی لندن کے لیے فلائٹ ہے۔ انکل آنٹی الگ پریشان ہیں۔ تم فی الحال آرام کرو۔ میں اسپتال جا رہی ہوں۔ تمہارے بھیا سے بات کرتی ہوں' ابو سے فی الحال تم نہ ہی ملو تو بہتر ہے۔ دو چار دن کے بعد انہیں بھی ڈسچارج کر دیا جائے گا' پھر میں سب کچھ خود ہی سنبھال لوں گی۔'' محبت سے اسے ساتھ لگائے وہ دھیمے دھیمے کہتی رہیں۔ مچلتے دل کو تسلی دے کر اریشہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ دعا بھابی دھیرے دھیرے چلتی باہر نکل گئیں۔
''کاشی...... پلیز' میری بات تو سنو...... کیوں کر رہے ہو تم ایسا؟'' کانپتے ہاتھوں میں ریسیور تھامے وہ مسلسل کاشان سے رابطے کے لیے بے چین تھی۔ جو شدید ناراضگی کے اظہار کے طور پر بار بار اس کی آواز سن کر فون کٹ کر رہا تھا۔
''بات مت کرو تم مجھ سے...... تم کیا سمجھتی ہو۔ محبت کوئی کھیل ہے...... اور میں...... میں کوئی کھلونا ہوں...... کوئی یوں بھی جذبات سے کھیلتا ہے ارشی۔'' وہ فون پر ہی سسک پڑا تھا۔ اریشہ کو اپنا دل کٹتا ہوا محسوس ہوا۔
''کاشی...... پلیز' میرا یقین کرو۔ میں تم سے بے حد محبت کرتی ہوں۔ تمہاری محبت' تمہارا ساتھ تو میرے لیے باعث فخر ہے لیکن مجھ سے پوچھ تو لو کاشی کہ میرے ساتھ کیا کہانی بنی؟ کیا تمہاری ارشی' تمہارے بنا خوشی سے جی سکتی ہے؟'' اس کا ضبط خود جواب دے گیا۔ کاشان تڑپ کے ہی تو رہ گیا۔
''ارشی...... پلیز روؤ مت...... دیکھو میں آ رہا ہوں۔ ابھی اور اسی وقت...... اوکے۔'' بے تابی سے اس نے جلدی جلدی کہا اور پھر بنا اس کا جواب سنے فون رکھ دیا۔

digest library.com

آدھے ہی گھنٹے میں' میلے چیلے کپڑے' بغیر دھلے چہرے پر بڑھی ہوئی شیو' سوجی سوجی آنکھیں لیے وہ اس کے سامنے تھا۔ اس کو دیکھتے ہی اریشہ گویا پاگل ہی ہوگئی۔ بلک بلک کر رونے لگی۔ سر اس کے کندھے سے ٹکا کر دیر تک سسکتی رہی۔
''ارشی! پلیز خود کو سنبھالو۔ کیوں تکلیف دے رہی ہو مجھے۔'' کاشان سے اس کا رونا دیکھا نہ گیا تو الگ کر کے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھنے لگا۔ خود اس کی خوب صورت آنکھوں کے گوشے نم ہو چکے تھے۔ اریشہ نے اسے ایکسیڈنٹ کی فرضی داستان سنا کر مطمئن کر دیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ کاشان بہت جذباتی انسان ہے۔ اگر اسے حقیقت کا علم ہو گیا تو وہ بہت جذباتی ہو جائے گا۔ کچھ بھی کر دے گا۔ ہو سکتا ہے اس کے دل میں خود اس کی محبت کے لیے بھی بال آ جائے اور بس یہی تو اسے گوارا نہیں تھا۔ کاشان ایک پل کے لیے بھی اس سے نظریں پھیرے' وہ کسی صورت برداشت نہ کر سکتی تھی۔ مختصر لفظوں میں اس کی بے رخی اریشہ کے لیے موت سے بدتر تھی' سو اس نے یہی کہا کہ تیز تیز پیدل ہی سڑک کراس کرتے وہ کسی خاتون کی گاڑی کے نیچے آ گئی اور اس خاتون نے تین دن اس کی تیمارداری کر کے اسے اپنے پاس رکھا تھا۔ کاشان کو لگا' اس کی جان میں جان آ گئی ہے۔ وہ تو پتا نہیں کیا سوچے جا رہا تھا اور ہوا کیا تھا۔
''فلائٹ کب ہے تمہاری؟'' سر اس کے کندھوں سے اٹھا کر متورم آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔
''پرسوں شام تم...... ایئرپورٹ تک چلو گی ناں

میرے ساتھ؟'' اس کے دونوں ہاتھ محبت سے تھامے وہ اپنائیت سے بولا تو اریشہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''چلو اب تم بھی اپنا حلیہ درست کرو۔ کیا دیوانوں جیسا حال بنا رکھا ہے اپنا۔'' اس کی شرٹ کے بٹنوں سے کھیلتے وہ تھوڑی سی خفگی سے بولی تو کاشان ہنس پڑا۔

''کیوں! اس دیوانے کا یہ روپ اچھا نہیں لگتا تمہیں؟''

''تین ہی دن میں تم نے یہ حال کرلیا اگر جو ساری عمر کے لیے میں تم سے بچھڑ گئی تو کیا کرو گے؟'' وہ اس کی دیوانگی سے واقف تھی۔ تب ہی تو اسے خوب ستاتی تھی۔ بچپن میں وہ سائے کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے۔ اسے یاد تھا' کاشی اسے کتنا ستاتا تھا۔

❖❖❖

''کاشی پلیز مت جاؤ۔'' بہت ضبط کے باوجود بھی برداشت نہ ہوسکا تو اس کا ہاتھ تھام کے وہ رو پڑی۔ اس کی اس حرکت نے خود خوبرو سے کاشان کو بھی بے حال کردیا اور اس نے لندن جانے سے انکار کردیا۔ تمام گھر والوں نے بمشکل اسے سمجھا بجھا کر' منتیں کرکے' بالآخر اسی وقت اریشہ کی انگلی میں اس کے نام کی انگوٹھی ڈال کر اسے مطمئن کردیا کہ وہ جب بھی واپس آئے گا' اریشہ اس کی امانت رہے گی لیکن اس کے لیے بہرحال اسے پہلے اپنا مستقبل بہتر بنانا ہوگا اور اسی شرط پر وہ لندن جانے کے لیے تیار ہوا تھا۔ وہ بھی اریشہ کے مسکرا کے اجازت دینے اور اصرار کرنے کے بعد۔

پھر تین سال بعد ہی وہ لوٹ آیا تھا اور باقاعدہ منگنی کی رسم ہوئی تھی۔ پھوپو کی تو اس میں جان تھی۔ اکلوتا جو تھا۔ پھر اریشہ بھی انہیں بہت پیاری تھی۔ سو وہ خود بہت خوش تھیں۔ پاپا جی بھی بہت مطمئن تھے۔ پھر کاشان کی ضد اور خواہش پر ہی ایک ہفتے بعد نکاح کی رسم قرار پائی تھی اور اس کے ایک ہفتے کے بعد اسے ایک سال کے لیے پھر سے لندن لوٹ جانا تھا۔ لیکن حالات کچھ اور ہی ہوگئے تھے۔ سارے خواب پل میں ہی بکھر چکے تھے اور اب دونوں ایک دوسرے کی جدائی میں تڑپ رہے تھے۔

''بولو ناں کاشی۔ اگر میں ساری عمر کے لیے بچھڑ گئی تو کیا کرو گے؟'' اسے گم سم دیکھ کر وہ پھر بولی تو کاشان گویا تڑپ کر ہی تو رہ گیا۔ فوراً اس کے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ دیا۔

''ایسا نہ کہو ارشی۔ خدا کے لیے بھول کر بھی دوبارہ ایسے مت کہنا۔ تمہارے بنا یہ زندگی مجھے قبول نہیں۔ مت امتحان لیا کرو میری دیوانگی کا...... مر جاؤں گا کسی دن یونہی۔'' بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔ اریشہ کو ہمیشہ اس کی اس دیوانگی سے خوف آتا تھا۔ وہ خود کون سا اس کے بنا جی سکتی تھی۔

اریشہ کے دل سے آدھا بوجھ جیسے ہلکا ہوگیا تھا۔ پاپا جی اسپتال سے گھر شفٹ ہوئے تو وہ انہیں دیکھ کر رو پڑی۔ بھابی اور بھیا نے جانے ان سے کیا کہا تھا کہ وہ بھی اس سے ذرا بدگمان ہوئے بنا خوب محبت سے ملے۔ پیار کیا۔ رات گئے تک وہ ان کے پاس بیٹھی رہی۔

''پاپا! آپ سے بچھڑنے کے بعد فاطمہ نے کیا' کیا؟'' اس کے اس اچانک اور غیر متوقع سوال نے انہیں چونکا دیا۔ الجھی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگے۔

''بولیے ناں پاپا۔ جب آپ نے دادا جی کے حکم سے مجبور مما جی سے شادی کرلی تو انہوں نے کیا کیا جنہیں آپ نے محبت کے قول و قرار اماناً سونپے تھے؟'' عجیب تفتیشی لہجہ تھا اس کا۔ خان صاحب اسے دیکھتے ہی رہے۔ انہیں ہرگز گمان نہیں تھا کہ اس موقع پر وہ اتنا غیر متوقع سوال کرے گی۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ اسے بیٹی کم دوست زیادہ مانتے تھے۔ پیار ہی اتنا تھا'

اس سے سوانہوں نے اپنا ہر دکھ درد اس سے شیئر کیا لیکن فاطمہ نے محبت میں چوٹ کھانے کے بعد کیا کیا۔ یہ تو وہ خود نہیں جانتے تھے' اسے کیا بتاتے؟

اریشہ نے اداس سی نگاہوں سے ان کے حیران چہرے کو دیکھا پھر اپنی رو میں لہجہ دھیما کر کے بولی۔

''میں بتاتی ہوں پاپا۔ آپ سے بچھڑنے کے بعد وہ ٹوٹ کر بکھر گئیں۔ کیونکہ انہیں آپ کی محبت پر بہت مان تھا' غرور تھا۔ انہیں یقین ہی نہیں' ایمان تھا کہ آپ محبت کے سفر میں ان کے بغیر ایک قدم بھی تنہا نہیں چل سکتے۔ لیکن آپ نے ان کا مان کانچ کے برتن کی طرح توڑ کر کرچی کرچی کر دیا۔ وہ گھر جسے وہ آپ کی محبت میں چھوڑ آئی تھیں' وہ ان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھن گیا۔ وہ گھر ہی کیا' ماں باپ' بہن بھائی' وہ گاؤں' وہ گلیاں سب چھن گئیں۔ خالی دل' خالی دامن لیے وہ دربدر کی ٹھوکروں میں رل گئیں۔ آپ کے شہر کی دھول بن گئیں۔ ساری عمر' لوگوں کے گھروں میں برتن مانجھتے' پوچا لگاتے' کپڑے سیتے' خدا کی دی ہوئی زندگی کے تحفے میں' ناکام محبت کا زہر گھونٹ گھونٹ پیتی رہیں۔ ساری عمر اپنوں کی فقط ایک جھلک دیکھنے کو ترستی رہیں۔ یہاں تک کہ اپنے جواں سالہ بھائی بھاوج کی حادثاتی موت پر بھی اس گھر کے دروازے ان کے لیے وا نہ ہوئے جنہیں آپ کی محبت میں وہ پیچھے چھوڑ آئی تھیں۔ ایک دم کھلا...... لیکن محبت نے انہیں انعام میں کیا دیا پاپا؟ صرف آنسو اور درد......؟''

اسے لگا' اس وقت وہ خود فاطمہ کے سراپے میں ڈھلی دربدر بھٹک رہی ہے۔ خان سیف اللہ یار خان کی چمکتی روشن آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔ محبت کسی پر اتنی گراں گزری ہوگی' یہ تصور بھلا کب کیا تھا انہوں نے؟ وہ تو ساری عمر یہی سمجھتے رہے کہ محبت نے انہیں بھلا دیا' انہوں نے محبت کو بھلا دیا۔ کب علم تھا کہ فقط محبت ہی تو وہ چیز ہے جو بھلائے نہیں بھولتی۔

''آپ کی محبت نے اسی شہر کی گود میں ایک پودا اپنی تھکی زندگی تج کر پروان چڑھایا ہے پاپا۔ وصان صدیقی۔ بہت گھائل ہے وہ۔ بڑے زخم لگے ہیں' اس کی روح پر' اپنی پھوپو کی جدائی اور سسکتی زندگی کے تصور کے۔ ہو سکے تو اس کے دل سے یہ زخم مٹا دیجیے پاپا...... ازالہ کر دیجیے' اس کی محرومیوں کا...... پلیز پاپا...... پلیز......'' وہ کب چاہتی تھی کہ کوئی اس کے پاپا سے بے تحاشا نفرت کرے۔ کسی کے لیے ان کی ذات دائمی درد کا باعث بنی رہے۔ محبت کا درد بھلا اس سے بڑھ کر کون جان سکتا تھا' سو بہتے آنسو صاف کر کے ایک پرنم سی نظر ان پر ڈال کر دھیرے دھیرے چلتی وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ اور سیف اللہ یار خان سوچوں کے بھنور میں الجھے اکیلے رہ گئے۔ بالکل اکیلے۔

❖❖❖

فاطمہ جو گاؤں کے مختصر سے قیام کے دوران انہیں لالہ جی کے گھر میں پہلی بار ملی تھی۔ جب وہ ایف اے ایگزیمز سے فراغت کے بعد تھوڑے دنوں کے قیام کے لیے ساتھ والے گاؤں میں اپنے بابا صاحب کے تایا زاد بھائی لالہ جی کے گھر آئے تھے۔ لالہ جی کے بڑے بیٹے جاوید سے ان کی گہری دوستی تھی۔ پھر پتا نہیں' وہ سہمی سہمی چڑیا' خوب صورت تیکھے نقوش والی مٹیار کیسے دھم سے ان کے دل میں سمائی کہ تھوڑے دنوں کا قیام ایک ماہ پر محیط ہو گیا۔ لیکن ان کا جانے کو من نہ چاہا اور فاطمہ کو بھی شاید وہ خوب صورت نین نقش والا گورا چٹا شہری لڑکا بہت بھا گیا تھا۔ جبھی وہ ہر روز خوب سج بن کر لالہ جی کے گھر آتی اور لالہ جی کی بیٹی شہرین کے ساتھ ہر کام میں آگے آگے رہتی۔ محبت کی خوشبو نے جلد ہی ان دونوں کو ایک ہی ڈوری سے باندھ دیا اور وہ تنہائی میں ملنے لگے۔ قول و قرار' قسمیں وعدے۔ وہ اتنا آگے نکل گئے کہ ہر قسم کا خوف و خطر ان کے دل سے نکل گیا تھا۔ لیکن یہی خوشبو جب دوسرے لوگوں تک پہنچی [illegible] واپس جانے کے

digest-library.com

لیے مجبور کر دیا گیا۔ نہ صرف شہر جانے کے لیے بلکہ بابا صاحب نے اپنی جان کا واسطہ دے کر زبردستی ان کی شادی ان کی بچپن کی منگیتر شہلا سے کر دی جو ان کی سگی بھتیجی تھی اور پھر شہلا کی خدمتوں، وفاؤں، اولاد کی ذمے داریوں میں الجھ کر وہ تو فاطمہ نامی لڑکی کو بھول ہی بیٹھے۔ محبت چل کر ان کے در تک آئی بھی لیکن وہ قول کے پابند تھے، کیسے اسے قبول کرتے، سو لوٹا دیا۔ واپس بالکل خالی ہاتھ۔ اور اب محبت اپنا خراج مانگ رہی تھی۔

❖❖❖

ارشی! میرا انتظار کرو گی نا تم؟" ایئرپورٹ پر فلائٹ میں ابھی تھوڑا وقت تھا۔ ممی پاپا سے مل کر وہ اب اریشہ کے دونوں ہاتھ تھامے مچل کر عہد لے رہا تھا۔ جس کی خوب صورت جھیل سی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ لیکن اب تم جاؤ۔ فلائٹ چھوٹ جائے گی۔" نچلا ہونٹ دبا کر اس نے بظاہر مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔

"اچھی بات ہے ناں، چھوٹ جائے۔ تم سے دور نہ جاؤں۔" مسکرا کے اب وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"اچھا! دور نہ جاؤں۔ بالکل ہی پاگل ہوگئے ہو تم۔" ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کے وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

"ہائے۔ تم نے ہی پاگل کر دیا ہے ظالم۔ کسی کو کیا دوش دوں، اپنا ہی دل اپنا دشمن ہوگیا ہے۔" ٹھنڈی آہ بھر کر اس نے اداسی سے آسمان کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ہنس پڑی۔

"اچھا اب زیادہ بکومت۔ جاؤ دیر ہو رہی ہے۔" اسے پٹڑی سے اترتے دیکھ کر وہ سنجیدہ ہوگئی۔

"ارشی! قسم سے تم واقعی بڑی سنگ دل ہوگئی ہو۔ ذرا جو میرے دل کا خیال ہو۔" وہ منٹ بھر میں ہی شکوے شکایت پر اتر آیا تو اریشہ زچ ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"اچھا جناب۔ جہاں رہو خوش رہو۔ مگر دیکھو...... میرا انتظار کرنا۔ صرف ایک سال۔ ایگزیمز سے فارغ ہوتے ہی پاکستان بھاگا آؤں گا۔ اور پھر آپ ہوں گی، ہم ہوں گے اور وہ حسین دن ہوں گے۔ کیا خیال ہے؟" بیگ اٹھاتے اٹھاتے وہ پھر شوخ ہوا۔ ایئرپورٹ لاؤنج میں لندن جانے والے مسافروں کے لیے اناؤنسمنٹ کی جا رہی تھی۔ دھیمی دھیمی مسکراہٹ اریشہ کے خوب صورت ہونٹوں پر بکھر گئی تھی۔

"کاشی۔ واپس چلے جاؤ ورنہ یہیں میرے ہاتھوں سے آج قتل ہو جاؤ گے۔"

"ہائے۔ اس سے بڑھ کر ہماری خوش نصیبی کیا ہوگی کہ آپ کے ہاتھوں موت آئے۔ اچھا چلو خیر فی الحال تو اجازت۔ واپس آ کر باقی کے مذاکرات طے کریں گے۔ اپنا خیال رکھنا۔ خوشی خوشی مجھے خط یا فون کے ذریعے اپنی خیریت سے باخبر رکھنا اور...... اور یہ کہ تم کاشی کی امانت ہو۔ خود کا بہت خیال رکھنا ورنہ واپس آ کے بہت برا پیش آؤں گا۔ او کے۔" روشن خوب صورت آنکھوں میں اس کے لیے صرف پیار ہی پیار تھا۔ اریشہ نے مسکرا کے گردن اثبات میں ہلائی تو وہ ہلکے سے اس کے گالوں کو چھو کر بائے کہتا، تیز تیز ڈگ بھرتا دور ہوتا گیا۔ اور وہ اداس آنکھوں سے اسے دور جاتے دیکھ کر ہاتھ ہلاتی رہی۔ یہاں تک کہ جہاز پرواز کر گیا۔ لیکن وہ پتھر کا بت بنی، دل کو سنبھالتی، تسلی دیتی، وہیں کتنی ہی دیر تک کھڑی جہاز کو اڑتا دیکھتی رہی۔ ایک وہ کیا گیا، اسے لگا، سارا شہر ہی سنسان ویران ہو گیا ہے۔ ہر طرف جیسے رنگ برنگے پھولوں پر خزاں کے سائے اتر آئے ہیں، جیسے اردگرد کا سارا ماحول اداسی کے کفن میں لپٹ گیا ہے۔ وہ ہر روز اپنی ڈائری میں اسے مخاطب کر کے دل کی ڈھیروں باتیں،

بے جان کاغذوں کے سپرد کرتی۔

اس روز وہ شاپنگ سے گھر لوٹی تو پاپا جی کے کمرے میں خلاف معمول شور سن کر بے حد سرپرائز ہوئی۔ دعا بھابی کی معرفت علم ہوا کہ پھوپو لوگ وغیرہ آئے ہیں۔ دل کو یکدم ہی بے پناہ خوشی ہوئی۔ تیزی سے چلتی وہ پاپا جی کے کمرے کی طرف بڑھی لیکن پھوپو جی کے زہر اگلتے جملے نے قدم دروازے کی دہلیز کے باہر ہی جما دیے۔

”سوری بھیا! لیکن اولاد کو اتنی محبت اور آزادی بھی نہیں دینی چاہیے کہ وہ اپنی عزت کو ہی نقب لگا دے۔ میں تو اسے بہت اچھی لڑکی سمجھتی تھی، تب ہی بیٹے کی خوشی کے لیے بخوشی اپنے گھر کی بہو بنانے کا فیصلہ کیا تھا لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ڈوبنے سے بچا لیا۔ جو لڑکی مسلسل تین روز بنا کچھ بتائے گھر سے غائب ہو کر کسی عیاش کے ساتھ جنگلوں میں رہی ہو، وہ کسی بھی اچھے گھرانے کی بہو بننے کے لائق نہیں۔ وہ تو اللہ بھلا کرے، اس لڑکے کا جس نے فون کر کے مجھے حقیقت بتا دی ورنہ میرا بیٹا تو......“

”شٹ اپ شہلا۔ بند کرو اپنی بکواس اور چلی جاؤ یہاں سے...... خبردار جو میری بیٹی پر کوئی بھی بہتان لگایا تو...... تمہیں رشتہ نہیں کرنا نہ سہی، لیکن آئندہ اگر میری بیٹی کے بارے میں ایک بھی نامناسب لفظ استعمال کیا تو میں بھول جاؤں گا کہ تم میری بہن ہو۔“ موٹی موٹی رعب دار آنکھوں میں غصہ ہی غصہ اُمڈ آیا تھا۔

”ارے...... آپ تو مجھ پر یوں غصہ ہو رہے ہیں، جیسے میں جھوٹ کہہ رہی ہوں۔ پوچھیے تو سہی ذرا اپنی بیٹی سے کہ تین دن وہ کہاں رہی؟ مجھے بھی کوئی شوق نہیں آئندہ یہاں ماتھا ٹیکنے کا۔ خدا حافظ۔“ غصے سے بے قابو ہو کر وہ باہر نکلیں تو نفرت اور حقارت سے ایک نظر باہر کھڑی اریشہ پر ڈالتی اور گویا زہر ہی ہو گئیں۔ تمام رشتے ناتے اور بندھن توڑتی وہ سنگ دلی کا مظاہرہ کرتی رخصت ہو گئیں اور اریشہ کو ایسے لگا گویا قدموں میں جان ہی نہ رہی ہو۔ پورا جسم گویا کانچ کے کسی برتن کی مانند ٹوٹ کر بکھر گیا۔ اعصاب بری طرح شل ہو گئے۔ بمشکل خود کو سنبھالتی ہوئی وہ اپنے کمرے تک آئی اور بستر پر گرتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ قسمت نے کتنا عجیب کھیل کھیلا تھا اس کے ساتھ کہ وہ پہلے ہی مرحلے پر کرچی کرچی ہو گئی تھی۔ پاپا جی نے خود کو کمرے میں ہی محدود کر لیا تھا۔ نہ انہوں نے اریشہ سے کچھ پوچھا تھا، نہ ہی کوئی بات کی تھی۔ خود اس میں ان کا سامنا کرنے کی ہمت نہ تھی۔

اس روز جی میں جانے کیا آئی کہ وہ گھر سے سیدھی آفس چلی آئی۔ وصان کے بارے میں معلوم کیا تو پتا چلا کہ کسی ضروری میٹنگ میں مصروف ہے۔ ایک گھنٹہ مسلسل غصے سے بل کھاتی وہ اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرتی رہی۔ میٹنگ برخاست ہوئی تو وصان اسے اپنے سامنے دیکھ کر گویا حیرت سے گنگ ہی تو ہو گیا۔ دل الگ مچلنے لگا تھا اور وہ بمشکل اپنے غصے پر قابو رکھے منتظر تھی کہ وہ گفتگو کا آغاز کرے لیکن وہ وصان [illegible] مسکراتا اور بنا کوئی بات کیے بس اسے دیکھتا رہا تو مجبوراً اسے خود ہی گفتگو کا آغاز کرنا پڑا۔

”مسٹر وصان...... میں سمجھتی تھی کہ تم میں تھوڑی بہت انسانیت شاید ابھی باقی ہے۔ لیکن نہیں، انتقام کے لاوے نے تمہیں ہر تمیز و تہذیب سے الگ کر کے جانور بنا دیا ہے۔ کان کھول کر سن لو۔ کاشی میری زندگی ہے اور اگر وہ مجھے نہ ملا تو پھر تم میرے انتقام سے بچ نہ پاؤ گے۔ سمجھے تم؟“ تنبیہی انداز میں شہادت کی انگلی اٹھا کر اسے وارننگ دیتی وہ غصے سے کانپ رہی تھی۔ وصان کے دل میں یکدم ہی درد کی ایک ٹیس سی اٹھی، تاہم وہ مسکرا کے بولا۔

”زہے نصیب، اریشہ صاحبہ! کہ آپ نے دیدار کا شرف تو بخشا، ہاں جہاں تک بات میری انسانیت یا

غیر انسانیت کی ہے تو آپ جیسا بھی سمجھیں، مجھے کوئی آبجکشن نہیں۔'' دھیمے دھیمے مسکراتے ہونٹ، جگمگاتی ستارہ سی روشن آنکھیں اسے سخت زہر لگیں۔

''دیکھو تم حد سے تجاوز کر رہے ہو۔ اپنی اوقات میں رہو تو بہتر ہے ورنہ میرے ایک اشارے پر یہ نوکری، یہ ٹھاٹ باٹ، کچھ نہیں رہے گا۔ انڈر اسٹینڈ۔'' نفرت و غصے سے وہ پھر پھنکاری۔

''کول ڈاؤن میم...... پلیز کول ڈاؤن۔ لگتا ہے، آپ کے دماغ کو کچھ زیادہ ہی گرمی چڑھ گئی ہے۔ کچھ ٹھنڈا وغیرہ منگواؤں؟'' اس کی زچ حالت سے لطف اٹھاتے وہ مسکرا کے بولا تو اریشہ اس پر اپنے غصے کا کوئی اثر نہ ہوتا دیکھ کر بل کھا کر رہ گئی۔ جھٹکے سے پرس لے کر اٹھی اور جاتے جاتے پھر وارننگ دی۔ ''اپنا بوریا بستر سمیٹ لو مسٹر۔ کل اس آفس میں تمہارا آخری دن ہوگا۔''

''جی بہت بہتر۔'' اس کے احترام میں کھڑے ہو کر اس نے مودبانہ کہا تو وہ روہانسی سی ہو کر پاؤں پٹختی اس کے روم سے باہر نکل آئی۔ عجیب مشکلات میں گھر کر رہ گئی تھی وہ۔ پاپا جی سے بات کرنا بہت مشکل لگ رہا تھا۔ کاشی بھی تو پاس نہ تھا جس سے وہ دل کا حال کہتی۔ سارا سارا دن یا تو کمرے میں قید رہتی یا دعا بھابی کے ساتھ کچن میں مصروف۔

اس وقت بھی وہ پاپا جی کے کمرے میں جانے کے لیے ہمت باندھ رہی تھی کہ دعا بھابی اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

''چندا۔ تمہیں ابو بلا رہے ہیں۔ بات کرنی ہے شاید کچھ۔'' الجھی الجھی سی دعا بھابی کا قطعی لہجہ اسے بہت عجیب لگا۔

''کیا بات ہے بھابی۔ سب خیریت تو ہے ناں؟'' پریشانی سے ان کے دونوں ہاتھ تھام کے وہ مضطرب سے لہجے میں بولی تو دعا بھابی نے بھی اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''ڈونٹ وری چندا۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ تم چلو، میں برتن سمیٹ کر وہیں آتی ہوں۔'' اسے تسلی دیتی وہ کمرے سے نکل گئیں تو پریشان دل کو سنبھالے دوپٹہ درست کرتی دھیمے دھیمے چلتی ہوئی وہ پاپا جی کے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ کسی کتاب کے مطالعے میں مشغول تھے۔ اسے دیکھا تو کتاب سائیڈ پر رکھ کے سیدھے ہو بیٹھے۔

''جی پاپا جی۔ آپ نے مجھے بلایا؟'' بمشکل جھکی پلکیں اٹھا کر وہ ان کی طرف دیکھ پائی۔

''جی، ارشی بیٹے۔ آؤ آؤ۔ یہاں بیٹھو، میرے پاس۔'' بیڈ پر سمٹ کے بیٹھتے ہوئے انہوں نے اس کے لیے جگہ بنائی تو وہ ایک سائیڈ پر ٹک گئی۔

''کہیئے پاپا جی، میں ہمہ تن گوش ہوں۔'' نظریں جھکائے وہ دھیمی آواز میں بولی۔

''ارشی بیٹے۔ یہ حقیقت ہے کہ میری زندگی میں تم سے بڑھ کر کچھ بھی انمول نہیں۔ میں نے ہمیشہ شکستہ محبتوں کا درد اپنے دل میں اتارا ہے بیٹے، پر اب میں تھک گیا ہوں۔ تمہیں محفوظ ہاتھوں میں سونپ کر سکھ چین کی ابدی نیند سونا چاہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں ارشی بیٹے کہ تم اور کاشان ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہو۔ لیکن بیٹے، میں سمجھتا ہوں کہ اس زندگی میں بہت کچھ ایسا بھی ہے جو ہماری شدید خواہش کے باوجود ہمیں مل نہیں پاتا۔ اگر اپنی تمام تر محبتوں کے صدقے میں تم سے فقط یہ مانگوں کہ تم کاشی کو بھول جاؤ تو مجھے یقین ہے کہ تم مجھے مایوس نہیں کرو گی۔ کاشی بہت اچھا ہے بیٹے لیکن افسوس کہ وہ تمہارا نصیب نہیں ہے۔ اور جو چیز نصیب میں نہ ہو، اس کے لیے خواہش مند رہنا، حقیقت میں خود کو تکلیف دینے کے مترادف ہے۔ اس لیے میں نے تمہیں کسی اور سے منسوب کر دیا ہے۔ اسے اپنے پاپا جی کی خوشی مان کر قبول کر لینا بیٹے۔ پلیز۔''

اریشہ جو سر جھکائے ساکت بیٹھی انہیں سن رہی تھی،

یکدم ہی تڑپ اٹھی۔ آنکھیں چھلکنے کو بے تاب ہوگئیں۔ یوں لگا' دم سینے میں ہی چپ چاپ گھٹ جائے گا۔ وہ نہ تو رو پائے گی نہ ہی چیخ چیخ کر احتجاج ہی کر سکے گی۔ آپ ہی آپ آنسو گالوں پر لڑھک آئے۔ وہ بولی تو لہجہ درد سے چور تھا۔

''آپ کا فرمان سر آنکھوں پر پاپا جی۔ میری کیا مجال جو آپ کے حکم سے سرتابی کروں۔ لیکن...... لیکن پاپا جی' میں نے تو زندگی کے سفر میں ہمراہی کے لیے صرف کاشان کے ساتھ کی دعا مانگی ہے۔ اسے کیسے بھول جاؤں پاپا؟ لاشعوری کے پیریڈ سے لے کر شعور کی منزل تک اپنا ہر دکھ' ہر خوشی صرف اسی سے شیئر کی ہے۔ میں بار ہوگئی ہوں تو مجھے مار دیجیے پاپا لیکن پلیز ساری عمر زندہ جلنے کی سزا مت دیجیے۔ میں سہہ نہیں پاؤں گی۔ میں سہہ نہیں پاؤں گی پاپا...... پلیز۔'' وہ بلک بلک کر رونے ہی تو لگی تھی۔

digest-library.com

''میرے پرخلوص مان کو آنسوؤں میں مت بہاؤ ارشی بیٹے۔ پلیز میرے فیصلے کی لاج رکھ لو۔ میں نے ایک ایسے انسان کا درد بانٹنے کا عہد کیا ہے جسے ہمیشہ شکستہ محبت کا زہر گھونٹ گھونٹ پینا پڑا ہے۔ تم سے بڑھ کر میرے پاس اور کیا اتنا انمول ہے کہ جس سے میں شکستہ محبتوں سے چور اس بکھرے انسان کی محرومیوں کا ازالہ کر سکوں۔ اسے دولت یا زندگی کی آسائشیں مطلوب نہیں' صرف محبتوں کی بھوک ہے۔ سچی اور پرخلوص محبتوں کی اور تم سے بڑھ کر محبت اسے بھلا اور کون دے سکتا ہے؟'' ان کی صرف آنکھیں ہی نہیں لہجہ بھی پرنم تھا۔ اریشہ کو لگا' وہ بکھر کر یہیں ڈھے جائے گی۔ وہ چیخنا چاہتی تھی' دھاڑیں مار مار کر رونا چاہتی تھی' کسی بھی طریقے سے اپنی پرخلوص محبت کو قربانی سے بچانا چاہتی تھی لیکن اسے لگا کہ وہ جیسے بہت تھک گئی ہے۔ جیسے وہ پاپا جی کے سامنے کچھ بھی بول نہیں پائے گی۔ دل میں کتنے ہی شگاف پڑ گئے۔ حالات کے نیب بھنور میں الجھ کر رہ گئی تھی وہ۔

''پاپا جی! میں بہت کمزور جان ہوں۔ مجھے تا عمر سسکنے کی کڑی سزا مت دیجیے۔ محبت کے خراج میں محبت کو قربان مت کیجیے پاپا۔ میرے دامن میں تو میری معصوم محبت کی خوشی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔ پلیز اسے مجھ سے مت چھینیے۔'' روتی بلکتی وہ ان کے قدموں سے لپٹ گئی تو سیف اللہ یار خان صاحب کا کپکپاتا ہاتھ اس کے سر پر آن ٹھہرا۔

''ٹھیک ہے' ارشی بیٹے۔ کاشی کی محبت میری محبت پر حاوی ہے تو میں تمہیں فورس نہیں کرتا۔ جاؤ آرام کرو۔ وہی ہوگا جو تم چاہو گی۔ میں تمہیں ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔'' نڈھال سے لہجے میں کہتے وہ گویا ٹوٹ گئے۔ زندگی نے ایک بار پھر انہیں تہی داماں کر دیا تھا۔ انہیں لگا' وہ سدا یونہی سسکتی محبت کے مقروض رہیں گے۔ لیکن دل یہ شکست برداشت نہ کر سکا اور وہ دل پہ ہاتھ رکھے وہیں ڈھے سے گئے۔

دعا بھابی جو ا[illegible] کر آئی تھیں' نظر ان پر پڑی تو گھبرا کر آگے بڑھیں۔ جلدی جلدی صارم بھیا کو فون کیا۔ پاپا جی کو اسپتال میں ایڈمٹ کروا دیا گیا۔ انہیں دل کا دوسرا اٹیک ہوا تھا۔ اریشہ کا تو گویا کاٹو تو بدن میں لہو نہیں تھا' بری طرح سہمی سہمی ہر آنے جانے والے کو دیکھتی رہی۔ پاپا جی کو دل کے دونوں اٹیک اسی کی ذات کے باعث ہوئے تھے۔ ان کی حالت خطرے میں تھی۔ اریشہ کو لگا' دائمی محبتوں اور شفقتوں کا یہ حسین سائبان گویا اس سے چھن رہا ہو۔ دل درد کا سمندر بن گیا۔ پاپا جی کی شفیق محبت' کاشی کی پرخلوص محبت کا خراج طلب کر رہی تھی اور اسے کسی ایک محبت کو قربان تو کرنا تھا۔ سو پاپا جی کی پرخلوص محبت' خوشی اور زندگی کے لیے اس نے نہ صرف کاشی کی پرخلوص محبت قربان کر دی بلکہ اپنی خوشیاں' اپنی مسکراہٹیں' اپنا سکھ چین' یہاں تک کہ اپنی ذات کو بھی ان پر قربان کر دیا۔ کاشی کی پرخلوص محبت کو تج کر پاپا جی کے فیصلے پر خاموشی سے سر جھکا دیا۔

ان کی حالت اب خطرے سے باہر تھی۔ اریشہ ان سے لپٹ کر خوب روئی' معافی مانگی' وہ بھی کتنی دیر اسے سینے سے لگائے آنسو بہاتے رہے۔ انہیں لگا تھا' شکستہ محبتوں کی کرچیاں تاعمر کسک بن کر انہیں تڑپاتی رہیں گی اور وہ بس یونہی تہی داماں ہر قدم پر بکھرتے رہیں گے لیکن اریشہ کی فرمانبرداری نے ان کا سر فخر سے بلند کردیا۔

انہوں نے بڑی دھوم دھام سے ڈھیروں پرخلوص دعاؤں کی چھاؤں میں اپنی لاڈلی لخت جگر کو اپنے چہیتے اور قابل اعتماد داماد وصان صدیقی کے ہمراہ رخصت کردیا۔ محبت کے خراج میں زخمی وقربان محبت کی کہانی پوشیدہ ہی رہی اور وہ ایک جیتی جاگتی' ہنستی مسکراتی' اریشہ خان کو اسی گھر کے دیوار و در میں دفن کرکے کھوکھلے وجود کے ساتھ زندہ لاش بنی وصان صدیقی کے سنگ اس کی زندگی میں چلی آئی۔

دعائیں یوں بھی مستجاب ہوجاتی ہیں' اس کا اندازہ بھلا وصان کو پہلے کب تھا۔ وہ تو سدا ہی محبتوں کو ترسا تھا۔ ماں باپ' پھر دادا دادی اور بعد میں آپو جی کو وقت نے وقفے وقفے کے بعد اس سے چھین لیا تھا۔ نہ کوئی آنکھ ہی اس کے غم پر کبھی نم ہوئی نہ کسی لب نے اس کی خوشیوں کے لیے کبھی دعا ہی کی۔ زندگی کی محرومیوں اور ناکام حسرتوں پر خود ہی گھنٹوں روکر وہ خود ہی اپنے آنسو پونچھ لیتا اور تسلی دے لیتا خود کو۔

اب جو بے رنگ زندگی میں اریشہ خان کی ہمراہی کا خوب صورت رنگ بھرا تو خوشی سے اس کے پاؤں زمین پر نہ ٹکے۔ نہایت سرشاری سے ہنستا مسکراتا' اسے ستانے اور پھر منانے کا پروگرام بناتا' وہ دروازہ کھول کر جونہی کمرے میں داخل ہوا' اسے سفید کپڑوں میں ملبوس سامنے صوفے پر بیٹھے دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ اریشہ نے جونہی نظر اس پر ڈالی' گویا وحشی ہی ہوگئی۔ بیڈ سے تکیے اٹھا اٹھا کر اس پر پھینکنے لگی۔ کمرے کی چیزوں میں توڑ پھوڑ مچادی۔ وصان نے بمشکل اسے قابو کیا۔

''شٹ اپ' یہ کیا حرکت ہے؟ کیا پاگل ہوگئی ہو تم؟'' اس کا انداز واقعی اس کے لیے حیرانی کا باعث بنا تھا۔ وہ مچل ہی تو گئی۔

''ہاں ہاں میں پاگل ہوگئی ہوں۔ سنا تم نے وصان صدیقی...... میں پاگل ہوگئی ہوں کیونکہ تمہاری آپو کی شکستہ محبت کے خراج میں اپنی معصوم محبت کو قربان کرنا پڑا ہے مجھے۔ میں نے اپنی خوشیوں اور ارمانوں' اپنے سکھ چین' یہاں تک کہ خود اپنے آپ کو بیچ دیا ہے۔ لو کھیلو اس بے جان کھلونے سے۔ لو انتقام اپنے جنون کا۔ نوچو اس زندہ لاش کو۔'' ہذیانی لہجے میں چیختی وہ گویا بپھر ہی تو گئی۔

وصان کے زبردست طمانچے نے نازک گال سرخ کردیا۔ دل ودماغ نے جیسے کام کرنا چھوڑ دیا۔

''ہاں ہاں مارو مجھے۔ جان سے مارڈالو۔ نہیں جینا مجھے تمہارے سنگ...... نہیں پینا ساری عمر گھونٹ گھونٹ کرکے کربناک زندگی کا زہر۔'' اجڑے اجڑے سے روپ میں اس پر بھرپور وحشت سوار تھی۔

وصان خالی' ذہن خالی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس کا گریبان اریشہ کے ہاتھوں میں تھا۔ ایک جھٹکے سے اسے دھکا دیتا وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ عجیب سی آگ لگ گئی تھی دل میں۔ اسے خدا سے مانگا ضرور تھا مگر تمام تر خوشی اور محبتوں کے سنگ۔ احسان اور ناپسندیدگی کے کفن میں لپیٹ کر نہیں۔ آنکھیں بے اختیار ہی برسنے کو بے تاب ہوگئیں۔ بھیگی آنکھیں بازو سے صاف کرکے وہ اسٹور روم میں ہی لیٹ گیا۔ زندگی نے ہمیشہ اسے سچی محبتوں کے خوشبو آمیز لمس سے محروم رکھا تھا۔ اس کے کان ہمیشہ کسی کی اپنے کی محبت واپنائیت کے دو میٹھے بول سننے کو ترسے تھے۔ لیکن زندگی میں کسی بھی گام پر نہ ہی تو وہ ٹوٹ کر بکھرا' نہ زندگی ہی کو کبھی اس پر رحم آیا۔

صبح ہونے میں ابھی چند گھنٹے باقی تھے۔ وہ گاڑی

ے کر باہر نکل لیا۔ دل سلگتا رہا اور وہ یونہی بے مقصد سڑکیں ناپتا رہا۔ واپس گھر پلٹ کر کمرے میں آیا تو اریشہ بیڈ سے نیچے ویسے ہی پڑی تھی' جیسے شام کو اس کے دھکے کے باعث گر گئی تھی۔ تھوڑی سی حیرانی و پریشانی کے ساتھ اس نے آگے بڑھ کر اسے سیدھا کیا تو دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ اس کی پیشانی پر گہرا زخم لگا تھا اور خون کافی مقدار میں نکل کر چہرے اور گردن پر جم گیا تھا۔ گالوں پر آنسوؤں کے نشان بھی تھے۔ بلاشبہ اس کی یہ حالت اس کے لیے شدید دکھ اور تکلیف کا باعث تھی۔ جلدی جلدی بازوؤں پر اٹھا کر اسے بیڈ پر لٹایا۔ پانی سے کپڑا بھگو کر اس کا چہرہ صاف کیا پھر چابیاں اٹھا کر باہر نکل گیا۔ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ناشتے کا سامان' پھلوں اور چند ضروری چیزوں کے ساتھ' اس کے لیے میڈیسن بھی تھی۔ زخم پر موثر کریم لگا کر اس نے بینڈیج کردی۔ خود ہی ناشتا تیار کیا اور ابھی چائے کے دو تین گھونٹ ہی پیے تھے کہ اریشہ کو ہوش آگیا۔ پہلی نظر اس پر پڑتے ہی اس کا حلق تک جیسے کڑوا ہوگیا۔ وصان سے اس کی آنکھوں میں سرد مہری و نفرت کا یہ عکس پوشیدہ نہ رہ سکا' سو دل میں اس کے ہوش میں آنے پر مطمئن ہوتے ہوئے اسے ناشتا کرنے کی ہدایت کرتا وہ خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

❖❖❖

ایک ہفتہ وہ پاپا جی وغیرہ کے ہاں رہ کر واپس آئی تو وصان پاپا جی کی باقاعدہ رضامندی سے مری کے حسین سبزہ زاروں میں تعمیر اپنے الگ تھلگ بنگلے میں شفٹ ہوگیا۔ اریشہ نے اس پر بھی بہت احتجاج کیا۔ روئی' ضد کی لیکن وصان نے ایک نہ سنی اور اسے اپنے ساتھ لے آیا۔ اریشہ نے ہمیشہ گھریلو کاموں سے دوری برتی تھی لیکن اب وصان اسے زیادہ سے زیادہ مختلف کاموں میں الجھائے رکھتا۔ وہ سب کچھ جیسے بھی ہوتا کر لیتی لیکن کپڑے دھونا اور روٹیاں بنانا اس کے بس سے باہر تھا۔ اس وقت بھی آنسو بہاتی وصان کو بددعائیں دیتی' وہ روٹیاں بیلنے میں مصروف تھی' جو کبھی ٹیڑھی ہوجاتیں' کبھی بیلن سے چپک جاتیں' تنگ آکر اس نے بیلن کو ہی پھینک مارا جو بڑی چابکدستی سے اندر داخل ہوتے وصان نے اپنا دفاع کرتے ہوئے کیچ کرلیا۔

''اچھا ہوا آپ آگئے۔ مجھ سے نہیں بنتیں یہ روٹیاں۔ خود ہی بنائیں۔'' چہرے پر حد درجہ بیزاری کا تاثر پھیلائے وہ اکتا کر بولی تو وصان ہنس پڑا۔ پھر جیسے بھی ہوسکا' چھوٹے چھوٹے پیڑے بنا کر خود ہی کوشش کرنے لگا۔ بازار کا کھانا اسے ہضم ہی نہیں ہوتا تھا' سو مجبوراً اریشہ کو امور خانہ داری پر معمور کیا۔ کچن سے نکل کر وہ وصان کے کپڑے لے کر بیٹھ گئی۔ اس کے پورے چھ سوٹ جمع ہوچکے تھے اور یہ ضد تا حال قائم تھی کہ کپڑے وہ ہرگز ہرگز لانڈری سے نہیں دھلوائے گا۔ وہی دھو کر دے گی تو پہنے گا ورنہ یونہی میلے کچیلے حلیے میں گھومتا رہے گا۔ اور زچ ہوکر اریشہ آج اس کے کپڑے دھونے بیٹھ ہی گئی تھی۔ وصان کو حد درجہ خوشی ہورہی تھی کہ بالآخر وہ سیدھے راستے کی طرف آرہی تھی' تب ہی فون کی بیل بجی۔ فون وصان نے ہی اٹینڈ کیا۔ دوسری طرف خان سیف اللہ یار خان صاحب تھے۔ فون ہولڈ رکھ کر وہ اس کی طرف آگیا جو کپڑے بڑی قابل رحم حالت میں نچوڑ رہی تھی۔

''جاکر فون سنو۔ تمہارا باپ بڑا بے چین ہے بات کرنے کو۔'' اس کا وہی کٹیلا انداز تھا۔ اریشہ نے غصے سے اسے دیکھا اور ہاتھ صاف کرتی کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ پاپا جی سے بات کرتے ہوئے نہ چاہنے کے باوجود بھی اس کے آنسو نکل آئے اور آواز بھیگ گئی۔

''کاشی' کیسا ہے پاپا جانی۔ کیا اس کا فون' کوئی خط وغیرہ آیا؟'' درد سے چور لہجے میں وہ صرف یہی

digest library.com

پوچھ سکی۔ دوسری طرف سے پاپا جی جانے کیا جواب دیتے کہ وصان نے کال ہی کاٹ دی۔

''یہ کیا بے ہودگی ہے جنگلی انسان۔'' وہ غصے سے چیخ ہی تو پڑی۔ وصان کا ہاتھ پھر اٹھ گیا۔

''اپنی حد میں رہو محترمہ۔ اب تم میری دسترس میں ہو۔ آئندہ اگر تمہاری زبان سے اس ذلیل کا نام بھی سنا تو زندہ جلا دوں گا۔'' وہ اسے نظر انداز کر کے کسی اور کو چاہے جائے' یہ بھلا کب گوارا تھا اسے' سو اس وقت بھی غصے سے دہاڑا تھا۔ اریشہ کے بے جان قہقہے نے اس کی حالت کا مذاق اڑایا۔

''وہ میری سانسوں میں بسا ہے مسٹر وصان۔ چھین سکتے ہو تو میری سانسیں چھین لو۔ جیتے جی میرے لب سے اس کا نام اور میرے دل سے اس کی یاد ہرگز جدا نہیں ہو سکتے۔ جان لو۔ میں تم سے جتنی نفرت کرتی ہوں' کاشی سے اتنی ہی محبت ہے مجھے۔ تم تو کیا دنیا کی کوئی طاقت میرے دل سے اس کا پیار ختم نہیں کر سکتی۔'' اسی کے انداز میں جواب دیتی وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ وصان غم و غصے سے کھول کر رہ گیا۔

رم جھم بارش کا سلسلہ صبح ہی سے جاری تھا۔ اسے کچھ شاپنگ کرنا تھی لیکن اکیلے جانے کی پرمیشن نہ مل سکی تھی' سو کب سے دریچے میں کھڑی وصان کا انتظار کر رہی تھی۔ خدا خدا کر کے اس کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو وہ نیچے بھاگی آئی۔ وصان سیدھا اپنے کمرے میں چلا آیا۔ مکمل بلیک لیدر کی پینٹ شرٹ میں ہلکی ہلکی شیو بڑھائے وہ خاصا نڈھال لگ رہا تھا۔ بڑی بڑی ستارہ سی چمکتی روشن سیاہ آنکھوں میں تھکن نمایاں تھی۔ آتے ہی بیڈ پر لیٹ گیا۔ نظر اچھی طرح تیار ہوئی خوب صورت سی اریشہ پر پڑی تو چونک کر کھڑا ہو گیا۔

''واہ۔ آج تو بڑے رنگ و روغن کیے ہوئے ہیں۔ کوئی آ رہا ہے کیا؟'' وہی دل چیرتا لہجہ۔ اریشہ نے زچ ہو کر رخ پھیر کر کرب سے آنکھیں موند لیں۔ وہ لاکھ مصالحت کی کوشش کرتی لیکن وصان کا ایسا ہی بدتہذیب لہجہ اس کی یہ کوشش ہمیشہ ناکام بنا دیتا۔

''مجھے جس کا انتظار ہے' وہ لوٹ کے جانے کب آئے گا۔'' آواز بہت دھیمی تھی لیکن وصان کی سماعتوں تک بخوبی پہنچ گئی۔ وہ بھنا کر اٹھا اور اریشہ کے سیاہ لمبے ریشمی بال مٹھی میں جکڑ کر اسے خود سے قریب کر لیا۔

''ایک بات تم کان کھول کر سن لو محترمہ اریشہ صاحبہ۔ کم از کم میری زندگی میں تم اس خبیث انسان کی کبھی نہیں ہو سکتیں۔'' دل کے ساتھ ساتھ اس کا لہجہ بھی سلگ رہا تھا۔ اریشہ کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''کاش میں' تمہاری زندگی کے عوض ہی اس کی رفاقت کی دعا کر سکتی' مسٹر وصان...... لیکن کیا کروں۔ قسمت میں نارسائی کا عذاب لکھا تھا' سو جب تک زندگی ہے بھٹکنا ہے۔ لیکن جس دن وہ لوٹ آیا ناں۔ اس دن تمہارا پتا بھی نہ چلے گا کہ کدھر گئے۔ پیار میں بڑی طاقت ہوتی ہے وصان صدیقی۔ تمہاری کھوکھلی ہستی اس طاقت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اوکے۔'' بظاہر پرسکون لہجے میں کہتی وہ وصان کے دل میں آگ لگا گئی۔

''تم ایک نہایت بدتہذیب اور بدکردار عورت ہو۔''

''جسٹ شٹ اپ۔ میرے کردار کو نشانہ مت بناؤ مسٹر وصان کیونکہ عورت کردار پر تہمت برداشت نہیں کرتی۔''

''ہوں۔ تم اور عورت۔ تمہارا عورت سے کیا واسطہ۔ عورت تو محبت کا سمندر ہے' وفا کی دیوی ہے بیوی کے روپ میں ہو تو چاہتوں کا جہان ہے۔ لیکن تم......''

''میں بھی محبت کا سمندر ہوں۔ وفا کی دیوی

ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میرا ہر جذبہ میرے محبوب کے لیے ہے۔ جو بدنصیبی کے باعث بس میرا ہمسفر نہ بن سکا۔" ترشی سے اس کی بات کاٹ کر وہ رسان سے گویا ہوئی۔ آنکھوں میں اداس نمکین پانی بھرنے لگا۔ وصان کے ضبط کی انتہا ہوگئی۔

"بہت وفا ہے نا تم میں۔ تو چلو نکل جاؤ' میری زندگی سے۔ میرے گھر سے۔ دوبارہ پلٹ کر کبھی ادھر کا رخ مت کرنا۔ جاؤ اسی کے پاس جس کے لوٹ آنے کا بہت انتظار ہے تمہیں۔" سختی سے اس کا بازو دبوچے وہ کمرے سے باہر لے جانے لگا تو اریشہ نے جھٹکے سے بازو چھڑا لیا۔

"میں تمہارے ساتھ بھاگ کر نہیں آئی تھی مسٹر وصان' جو رات کی تاریکی میں نکل جاؤں۔ جس گھر سے باعزت بیاہ کر لائے تھے' خود چل کر وہیں چھوڑ آؤ۔" اریشہ کے لہجے میں بھی جبر تھا۔

"تو ٹھیک ہے۔ پھر دیکھو آج کے بعد میں تم پر کس قدر زندگی کو تنگ کرتا ہوں۔ بہت غرور ہے نا' تمہیں خود پر۔ آج کے بعد دن رات زخم گنو گی اپنے...... زخم۔" زخمی لہجے میں دہاڑتا وہ اسے کمرے میں مقید کر کے خود باہر نکل گیا۔ اریشہ سر گھٹنوں پر جھکا کے بلک بلک کے رو پڑی۔

دو دن مسلسل کمرے میں بھوکا پیاسا مقید رکھنے کے بعد تیسرے دن شام میں وہ آیا تو بنا اس سے کوئی بات کیے بازو سے کھینچ کر باہر گاڑی تک لے آیا۔ تقریباً دھکا دینے والے انداز میں اسے گاڑی میں دھکیلا۔ پھر پھرتی سے دوسری جانب کا دروازہ کھول کر اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ اریشہ ہکا بکا حیرانی سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ تیزی سے بالکل سپاٹ چہرہ لیے ڈرائیونگ کرتا رہا۔ گاڑی رکی تو مارے خوشی کے اریشہ کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ ظالم صیاد نے گویا رہائی کا پروانہ دے دیا تھا۔ پاپا جی کا خوب صورت آفس سامنے تھا۔ اسے گاڑی میں ہی بیٹھے رہنے کی ہدایت کر کے وہ خود آفس کے اندر چلا گیا۔ دو منٹ کے بعد باہر آیا تو پھر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ حیرت سے گنگ اریشہ اس سے کوئی سوال کرنے سے قاصر رہی۔ دوبارہ گاڑی ایک اسپتال کے سامنے رکی۔ اس نے استفہامیہ نگاہوں سے وصان کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں نہ وحشت تھی' نہ غصہ' البتہ رنج ضرور تھا۔ پھر اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی وہ بول پڑا۔

"چلو آؤ باہر...... پاپا جی کی حالت بہت نازک ہے۔" سپاٹ لہجے میں کہے اس کے یہ چند الفاظ اریشہ کو کسی قیامت سے کم نہ لگے۔ بکھرتے اعصاب و دل کو سنبھالتی وہ کسی چابی والی گڑیا کی طرح فوراً متحرک ہوئی اور تقریباً بھاگتی اسپتال میں داخل ہوئی۔ وصان بھی فوراً چلا آیا پھر اس نے ہی ڈیوٹی پر موجود عملے سے مطلوبہ وارڈ کا نمبر پوچھا اور اریشہ کو لے کر اس کمرے کی طرف بڑھا جہاں پاپا جی ایڈمٹ تھے۔ صارم بھیا' دعا بھابی بھی انہیں کوریڈور میں ہی مل گئے۔ وہ دعا بھابی سے لپٹ کر خوب روئی۔ جس پاپا کی خوشی اور زندگی کے لیے اس نے اپنی ذات کو تج دیا تھا' آج وہی زندگی اور موت کے درمیان ڈول رہے تھے۔ آنکھیں تھیں کہ برس برس کے سرخ ہوگئیں۔ لیکن کوئی آنسو' کوئی پکار' پاپا جی کو آخرت کے سفر پر گامزن ہونے سے نہ روک سکی۔ اریشہ کو لگا' گویا پورا آسمان ایک دم اس کے سر پر دھڑام سے آگرا ہو۔ ڈاکٹر "سوری" کہہ کر جا چکا تھا۔ صارم بھیا نے دیوار سے ٹکر ماری۔ دعا بھابی نے بمشکل اپنی چیخ روکی اور اسے ساتھ لگا لیا۔ وصان شدید حیرانی سے اس حقیقت کو قبول کرنے کے لئے بنچ پر بیٹھ گیا۔ لیکن اریشہ کو لگا وہ گویا ڈھے گئی ہے۔ اس نے چیخ چیخ کر دھاڑیں مار مار کر رونا چاہا لیکن آنسو تھے کہ جیسے آنکھوں میں ہی جم گئے تھے۔ سکتے کی سی کیفیت میں وہ صارم بھیا اور دعا بھابی کو دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ پاپا جی کی ڈیڈ باڈی

digest library.com

گھر لے آئی گئی۔ آہستہ آہستہ لوگ جمع ہونے شروع ہوگئے۔ ہر طرف آہ و بکا کا سلسلہ شروع ہوگیا مگر وہ چپ چاپ، گم سم سا کت نگاہوں سے خاموش بیٹھی ہر آنے جانے والے کو حیرانی سے تکتی رہی، دعا بھابی، صارم بھیا یہاں تک کہ وصان نے بھی اس کا سکتہ توڑنے کی بہتیری کوشش کر ڈالی لیکن وہ گم سم ہی رہی۔ پاپا جی کو سپرد خاک کردیا گیا۔ آہستہ آہستہ گھر مہمانوں سے خالی ہوگیا۔ روزگار زندگی نے صارم اور وصان کو بھی حالات سے سمجھوتا کرنے پر مجبور کردیا لیکن بس ایک وہی حقیقت کو قبول نہ کرسکی اور اس وقت بھی خالی ذہن، خالی آنکھوں سے خلا میں تکتی، بہت بکھری بکھری سی سبزی بنارہی تھی۔ دعا بھابی اس کے کپڑے پریس کررہی تھیں۔ سبزی والی ٹوکری پرے دھکیل کر اس نے نڈھال انداز میں سر ٹیبل سے ٹکادیا۔

تب ہی سماعتوں سے مانوس آواز ٹکرائی۔

"کیسی ہو ارشی؟" اریشہ نے چونک کر سر اٹھایا۔ آنکھوں نے جو صورت دیکھی، اس نے تو گویا بصارت کو پتھر ہی کردیا۔ بڑھی ہوئی شیو، میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس، کمزور سا جسم، تھکا تھکا سا چہرہ، وہ بلاشبہ کاشی تھا۔ آپ ہی آپ پتھر آنکھوں سے کسی خاموش جھیل کی مانند کب سے رکے گرم گرم آنسو گالوں پر پھسل پڑے۔ آنکھوں کے گوشے تو خود کاشی کی بصارتوں کے بھی نم تھے۔

"زندہ لاشیں کیسی ہوتی ہیں، کاشی؟" پرنم لہجہ درد سے چور تھا۔

"کوئی یوں بھی کرتا ہے ارشی، جو تم نے میرے ساتھ کیا؟" اسی کے سامنے بیٹھتے ہوئے وہ بہت شکستہ لہجے میں گویا ہوا۔ "تم نے تو مجھے یہ پوچھنے کا موقع بھی نہ دیا کہ میرا قصور کیا تھا جو مجھے تاعمر دربدری اور بے سکونی کی سزا دے ڈالی اور خاموشی سے زندگی کے سفر میں کسی اور کا ہاتھ تھام لیا۔ بڑی بے ایمان نکلیں تم ارشی۔ بہت بے ایمان۔" لبوں سے سسکی نکلی تھی اور اداس ویران آنکھوں سے آنسو۔ جسے اس نے بڑی سنگ دلی سے انگلی کی نوک سے پرے جھٹک دیا۔

اریشہ کی جھیل سی گہری آنکھوں میں خود آنسوؤں کا سمندر جمع ہوگیا لیکن وہ کچھ بھی بول نہ پائی تو کاشان تڑپ سا گیا۔

"کچھ تو بولو ارشی۔ کم از کم یہ تو بتادو کہ تمہارے بن میں کیسے زندگی کا بار اٹھاؤں؟ کیسے جیوں؟ ایک سال تو کیا تم نے تو ایک ماہ میرا انتظار نہ کیا۔ کیا میں اتنا برا ہوگیا ہوں ارشی کہ اب مجھ سے بات کرنا بھی گوارا نہیں۔" بوجھل لہجے میں کرب کی گہری آمیزش تھی۔

"تم یہاں سے چلے جاؤ کاشی۔ خدا کے لیے تم یہاں سے چلے جاؤ۔" اس کے کسی بھی سوال کا وہ بھلا کیا جواب دیتی، سو کانوں پر ہاتھ رکھ کے چیخ پڑی۔

"میں تو چلا ہی جاؤں گا سنگ دل...... لیکن بس عادت سی ہوگئی ہے ناں، ہر دکھ، ہر مشکل کو شیئر کرنے کی، سو انکل کی ڈیتھ کا صدمہ تم تک کھینچ لایا۔" تھکے تھکے سے انداز میں وہ ٹیبل پر ہاتھ رکھ کے کرسی گھسیٹتا اٹھ کھڑا ہوا۔ ہتھیلی کی پشت سے بھیگی آنکھیں صاف کیں۔

"ارشی، میں تمہاری زندگی سے ہمیشہ کے لیے چلا جاؤں گا۔ بس صرف اتنا بتادو کہ کیا یہ شادی تم نے اپنی خوشی سے کی ہے۔ کیا بچپن کے وہ بھی دن، جو ایک دوسرے کی ہمراہی میں کھیلتے کودتے، ہنستے مسکراتے سنگ سنگ بتائے، وہ تمہارا مجھ سے لڑنا جھگڑنا، روٹھنا منانا، وہ تمہارے دل میں میری محبت کا ٹھاٹیں مارتا سمندر، وہ تمہاری آنکھوں میں صرف میری محبت کے جگمگاتے دیپک، کیا وہ سب فریب تھا؟ نہیں ارشی، تم نے ہی تو کہا تھا کہ محبت سب کچھ ہوسکتی ہے، بس ایک فریب نہیں ہوتی تو پھر...... پھر میرے جذبے بے معنی کیوں ہوئے ارشی...... پلیز بتاؤ۔ کچھ تو بولو؟" محبت کے صدمے نے واقعی اسے بڑا نڈھال کردیا تھا۔

"میں نے یہ شادی اپنی مرضی سے نہیں کی کاشی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ میرے دل نے بچپن سے اب تک بس ایک تم کو ہی چاہا ہے۔ اپنا مانا ہے۔ یہ شادی تو زہر کا وہ کڑوا گھونٹ ہے جو زبردستی میں نے خود پیا۔ میں لمحہ یہ لمحہ سلگ رہی ہوں کاشی...... میں ختم ہو رہی ہوں۔ پلیز' مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ پلیز کاشی۔ پلیز۔'' بڑی بڑی روشن سیاہ آنکھوں سے پھسلتے آنسوؤں نے ہونٹ تر کر دیئے تھے۔ کاشی تڑپ کے ہی تو رہ گیا۔ اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا' وصان کے فلک شگاف قہقہے نے ان دونوں کو چونکنے پر مجبور کر دیا۔

''یہ کون سی ٹریجڈی فلم کا سین چل رہا ہے مسز اریشہ۔'' سلگتے کاٹ دار لہجے میں سوال کرتا وہ اسے بہت ظالم لگا۔

''کاشی! یہ' یہ شخص مجھے مار ڈالے گا۔ فار گاڈ سیک۔ مجھے اس سے بچالو۔ مجھے بچالو کاشی پلیز۔'' برق روی سے بھاگ کر وہ کاشی کے قریب ہو گئی تو اس نے اس کے ہاتھ تھام کر خود سے قریب کر لیا۔ وصان کے دل میں آگ لگ گئی۔ ایک جھٹکے سے آگے بڑھ کر اس نے اریشہ کو کاشان سے جدا کر دیا۔

''بدکردار عورت۔ شادی شدہ ہو کر شوہر کے سامنے ہی ایسی چھچھوری حرکتیں کرتے شرم نہیں آتی تمہیں۔'' ہذیانی لہجے میں وہ دھاڑا۔

''اپنی زبان کو لگام دو وصی۔ اریشہ کے دامن پر قطعی کوئی تہمت لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' دعا بھابی کے گرجتے لہجے نے ایک پل کے لیے ماحول میں سناٹا پھیلا دیا۔ ''یہ ٹھیک ہے کہ اریشہ اب تمہاری دسترس میں ہے لیکن اس نے ہمیشہ اپنے پاکیزہ جذبوں میں کاشان کو شامل رکھا ہے اور ان کی محبت بدکرداری نہیں' معصومیت اور اپنائیت کا عنوان ہے۔ سمجھے تم؟'' اریشہ کو ساتھ لگائے وہ قدرے سختی سے گویا ہوئیں۔ وصان سر جھٹک کر وہاں سے چلا گیا تو وہ کاشی سے گویا ہوئیں۔

''میں مانتی ہوں کہ تم نے اریشہ سے سچا پیار کیا ہے کاشی۔ لیکن بس اتنا سمجھ لو کہ تم دونوں کا ملاپ قدرت کو منظور نہ تھا۔ ورنہ یہ عین نکاح والے روز کڈنیپ ہی کیوں ہوتی؟ قسمت کے لکھے کو اپنا نصیب مان لو کاشی۔ پلیز ارشی کی زندگی سے نکل جاؤ۔'' ان کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا لیکن کاشی تڑپ گیا۔

''خدا کے لیے ایسا مت کہیے بھابی...... مما نے جو بھی کیا' اس کے لیے میں تو قصوروار نہیں ہوں۔ جب شادی کروا کے ارشی خوش نہیں' میں خوش نہیں یہاں تک کہ خود وصان بھی خوش نہیں تو پھر ایسی شادی کا کیا فائدہ بھابی؟ میں ارشی کے بنا زندہ نہیں رہ سکتا۔ پلیز مجھ پر رحم کیجیے پلیز۔''

''سوری بھابی۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ میں بھی کاشی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس جنگلی انسان نے زندہ جلا دیا ہے مجھے۔ لیکن میں جینا چاہتی ہوں۔ میں وصان سے ڈائیورس چاہتی ہوں بھابی۔ پلیز اسے کہہ دیں کہ مجھے میری آزاد زندگی کی رہائی کا پروانہ دے دے۔ پلیز بھابی' پلیز۔'' بہتے آنسوؤں کو پیتی وہ خود بے قرار لہجے میں بول اٹھی۔

''او کے...... پلیز' ریلیکس ہو جاؤ۔ اور تم جاؤ' اپنے کمرے میں آرام کرو۔ میں وصان سے بات کر لوں گی۔'' رسان لہجے میں بولتی دعا بھابی نے گویا بات ختم کر دی۔

کتنی رات بیت گئی تھی لیکن وصان کا کچھ پتا نہ تھا کہ کہاں ہے؟ برآمدے میں بے قراری سے ٹہلتی دعا بھابی کی سوچوں میں فکر کا گہرا عکس تھا۔ وصان سے اریشہ کا نکاح کرانے میں پاپا جی کے ساتھ ساتھ خود وہ بھی شامل تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ وصان اوپر سے جتنا سخت اور سنگ دل نظر آتا ہے' اندر سے اتنا ہی گھائل' محبتوں کا پیاسا ہے' جب کہ کاشی سے اگر اریشہ کو بیاہ بھی دیا جاتا تو لازمی بات تھی کہ پھوپو کی نفرت اور بھڑکاوے میں آ کر کسی نہ کسی دن وہ اسے تین دن گھر

digest library.com

سے غائب رہنے اور عین نکاح کے روز اغوا ہونے کا طعنہ ضرور دیتا۔ اور یہ درد ایسا درد ہوتا کہ نازک اور حساس دل و دماغ والی اریشہ کے لیے قطعی ناقابل برداشت ہوتا۔ اب بھی صارم بھیا سے پوشیدہ وہ کسی نہ کسی طرح وصان کو سمجھانے کا پروگرام ترتیب دیئے بیٹھی تھیں۔

ایک دم ہی وصان کی گاڑی کی ہیڈ لائٹس نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ گاڑی پارک کر کے بکھرا بکھرا سا وصان جونہی آگے بڑھا' دعا بھابی کو اتنی رات گئے برآمدے میں اپنی راہ دیکھتے پا کر چونک گیا۔

''آج لوٹنے میں بہت دیر کردی۔ کیا بہت ناراض ہو وصی؟'' ان کے لہجے میں محبت کی آمیزش تھی۔ وصان کا سر جھک گیا۔

''نہیں بھابی' ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' بمشکل دھیمے سے لہجے میں وہ کہہ پایا۔

''پلیز' بیٹھو وصان۔ مجھے بات کرنی ہے تم سے۔ گو رات کافی ہوگئی ہے لیکن میں سمجھتی ہوں کہ اگر میں نے تم سے اس موضوع پر بات کرنے میں مزید دیر کی تو پھر بہت دیر ہو جائے گی۔'' اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولیں۔ وصان چونک کر ان کی اداس آنکھوں میں دیکھتا ہوا قدرے فاصلے پر بیٹھ گیا۔

''میں جانتی ہوں چندا کہ تم ارشی سے بہت پیار کرتے ہو۔ اسی لیے وہ کسی اور کو چاہے تم یہ برداشت نہیں کر سکتے۔ اصل میں پیار چیز ہی ایسی ہے۔ انسان جس فرد کو چاہے پھر بس ایک اس کے سوا دنیا کی کوئی خوب صورتی متاثر نہیں کرتی۔ تم بہت سمجھ دار ہو وصی۔ اسی لیے تو اریشہ کی مرضی اور فیصلے کے خلاف پاپا جی اور میں نے اسے تمہاری دسترس میں سونپا تھا۔ وہ تم سے نفرت نہیں کرتی۔ بس اسے یہ دکھ ہے کہ اس کی مرضی کے خلاف اسے تم سے منسوب کر کے اس پر ظلم کیا گیا ہے۔ اسے یہ گمان ہے کہ تمہاری آپو کی شکستہ محبت کے

قطعہ

اس کے نزدیک غم ترک وفا کچھ بھی نہیں
مطمئن ایسا ہے وہ جیسے ہوا کچھ بھی نہیں
اب تو ہاتھوں سے لکیریں بھی مٹی جاتی ہیں
اس کو کھو کر تو مرے پاس رہا کچھ بھی نہیں
(عابد محمود۔ ملکہ ہانس)

تاوان میں ہم سب نے مل کر اس کی محبت اور جذبات کو سولی چڑھا دیا ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ پاپا جی شروع ہی سے تم سے بہت انسپائر تھے' تبھی تو انہوں نے اپنا پیار' سارا کاروبار' اعتماد یہاں تک کہ اپنی اکلوتی لخت جگر بھی تمہیں سونپ دی۔ گزرے ہوئے ماضی کے لیے اپنے حال کو اذیت ناک بنانا سب سے بڑی ستم ظریفی ہے وصی۔ جیسے تم ساری عمر محبتوں کو ترسے ہو' ویسے ہی مما کی دائمی جدائی اور پاپا جی کی کاروباری مصروفیت کے باعث اریشہ بھی تنہائیوں کا شکار ہوگئی۔ اسے اپنا ہر دکھ سکھ کہنے کے لیے صرف کاشی کی ذات ملی۔ اسی سے پیار ملا۔ اس لیے وہ ہر حقیقت سے آنکھیں چرائے ابھی تک اسے ہی اپنا مسیحا سمجھتی ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ کاشی اسے نہیں چاہتا۔ وہ بھی بہت چاہتا ہے اسے لیکن وصی' اس کی چاہت بہتے پانی پر تعمیر مکان کی مانند ہے۔ وہ بہت ایموشنل ہے' پیار میں کوتاہی یا کسی بھی قسم کی ٹریجڈی کا قائل نہیں اور اریشہ اس حقیقت سے بے خبر ہے۔ پلیز وصی۔ اسے خود میں الجھا لو۔ وہ جو قدم اٹھا رہی ہے' وہ راہیں اسے تباہیوں اور اندھیروں میں دھکیل دیں گی۔ اور میں یہ برداشت نہیں کر پاؤں گی' میرے بھائی۔ میں یہ برداشت نہیں کر پاؤں گی۔'' نہ چاہنے کے باوجود بھی ان کی آواز بھر آئی تھی۔ وصان کے دل میں خود درد کی ٹیس اٹھی۔

''میں آپ کے خلوص اور محبت کا مشکور ہوں بھابی۔ لیکن آپ ہی بتائیے' میں کیا کروں۔ وہ مجھ سے

نہیں، کاشی سے محبت کرتی ہے۔ میں بھلا اس سے محبت کی بھیک کیسے مانگوں؟'' حلیے کے ساتھ ساتھ اس کا لہجہ بھی بکھرا بکھرا سا تھا۔

''محبت کبھی بھیک میں نہیں ملتی چندا...... یہ تو وہ پودا ہے جو دل کی سرزمین پر کبھی بھی آپ ہی آپ اگ جاتا ہے اور ہمیں پتا ہی نہیں چلتا۔ اسے اپنی قربت و رفاقت میں اس قدر الجھالو وصی کہ وہ کسی اور طرف دیکھ ہی نہ سکے۔ مجھے یقین ہے، ایک دن وہ تمہاری محبت کو جان جائے گی اور تب وہ حقیقت کو بہتر انداز میں سوچ سمجھ سکے گی۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو ناں وصی؟'' اپنی بات ختم کرکے انہوں نے وصی کی طرف دیکھ کر پوچھا تو اس نے ایک گہری سرد سانس بھر کے اثبات میں سرہلا دیا اور دعا بھابی سے اپنی خوشیوں کے لیے دعا گو رہنے کی التجا کرتا ہوا وہ دھیمے قدموں سے چلتا وہاں سے اٹھ آیا۔

بھابی کے مشورے کے بعد سب سے پہلے اس نے اس شہر سے کوچ کرنے کا فیصلہ کیا اور ارادہ کیا کہ چند دنوں کے لیے قیام پھر مری والے بنگلے میں ہی کیا جائے، جہاں کاشی کی آمد و رفت ناممکن تھی اور یہ بھی اچھا ہی تھا کہ کاشی ضروری کام کے سلسلے میں شہر سے باہر تھا ورنہ اریشہ نے تو طوفان کھڑا کردیا تھا۔ کاشی سے رابطہ کرنے کی بار بار کوشش کی تھی لیکن پھوپو نے زبردست انسلٹ کردی تھی۔ اسے دعا بھابی پر رہ رہ کر غصہ آرہا تھا جو اس کی اور کاشی کی مدد کرنے کے بجائے وصان کا ساتھ دے رہی تھیں۔ روتی بلکتی، مچلتی وہ ایک مرتبہ پھر وصان کے ساتھ اسی زندان میں آگئی جہاں کے دیوار و در میں اسے ہر پل اپنا دم گھٹتا محسوس ہوتا تھا۔ کتنے ہی دن وہ روتی رہی۔ وصان نے فون اور موبائل سب غائب کردیے تھے۔ اتنے بڑے گھر میں اپنی قسمت پر ماتم کرتی وہ سارا دن دیواروں سے سر ٹکراتی پھرتی اور ہر گزرتے پل کے ساتھ وصان سے نفرت شدید تر ہوتی جاتی۔

اپنے معمول کے مطابق اس روز بھی وہ رات کو دیر سے گھر آیا تو گاڑی کا ہارن سن کر وہ جو ڈائری لکھ رہی تھی، جلدی سے چھپا کر بیڈ پر آگئی اور رخ پھیر کر رسالہ کھول لیا جو وصان کے زیر استعمال تھا۔ وہ کمرے میں آیا تو اسے رخ پھیرے لیٹے دیکھ کر اور اپنا منتظر پا کر زیرلب مسکرا اٹھا۔ بیڈ پر بیٹھ کر پاؤں کو جوتوں کی قید سے آزاد کیا پھر کوٹ اتار کر سامنے صوفے پر ہی پھینک دیا۔

''اریشہ! پلیز کھانا لے آؤ۔ آج تو بہت بھوک لگی ہے۔'' گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر قدرے ریلیکس ہو کر بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔

''مجھے بھوک نہیں تھی، اس لیے میں نے کھانا نہیں بنایا۔'' اریشہ کا جواب روکھا پھیکا تھا۔

''کمال ہے یار۔ میرے لیے تو بنانا تھا۔'' وہ واقعی چونک پڑا تھا۔

''جہاں سے اتنی رات کرکے آتے ہیں، وہاں کھانا نہیں ملتا کیا؟'' اس نے اپنی طرف سے سلگتے لہجے میں پوچھا تھا لیکن وصان ہنس پڑا۔

''چلیں ٹھیک ہے، آج بھوکے ہی سو جاتے ہیں۔'' اس کے قدرے لاپروا مصلحت آمیز انداز پر اریشہ سلگ اٹھی۔ ایک دم سے اٹھ کر اس کے بالکل مقابل بیٹھ گئی۔ آج وہ اندر کی ساری بھڑاس نکال لینا چاہتی تھی۔ وصان حیرانی سے اس کے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھنے لگا۔

''آپ ہمیشہ بھوکے ہی رہیں گے، مسٹر وصان۔ کیونکہ زبردستی کا سودا کرنے والوں کے ہاتھ کبھی کچھ نہیں آتا۔ آپ نے میری خوشیوں کو آگ لگائی ہے عین اس وقت جب میں منزل پر پہنچ گئی تھی، آپ نے میری راہ میں اندھیرا ہی اندھیرا کردیا۔ کیا ملا آپ کو مسٹر وصان۔ ہاں کیا ملا آپ کو؟ مجھے تو میرا پیار کبھی نہ کبھی مل ہی جائے گا لیکن آپ کے ہاتھ کیا آیا، میری زندگی برباد کرکے؟ مجھ پر نہ سہی، خدا کے لیے خود پر ہی

digest-library.com

رحم کرلیجئے۔ کیوں ایسی تکلیف دہ زندگی خود بھی جی رہے ہیں اور اپنے ساتھ مجھے بھی جینے پر مجبور کررہے ہیں۔'' لفظ لفظ میں گہری اذیت تھی۔ وصان کا دل تو دکھا لیکن اس نے ہونٹوں پر زبردستی مسکراہٹ پھیلالی۔

''ٹھیک ہے' مس اریشہ...... ایز یو وش' آپ جیسا چاہیں گی' وہی ہوگا۔ ٹھیک ہے۔'' مسکراتے ہونٹوں سے ادا ہونے والے الفاظ نے اریشہ کو چونکنے پر مجبور کردیا۔ اس کے کانوں نے اس پتھر دل سے ابھی ابھی جو کچھ سنا تھا' اس پر یقین نہ آرہا تھا۔ بھلا اسے اس کی خوشیوں کی پروا کب سے ہوگئی تھی؟ جانے وہ اس کیفیت میں کب تک رہتی کہ وصان کے پاکٹ موبائل کی بیل نے اس کی محویت توڑ ڈالی۔ وصان اچٹتی سی نظر اس پر ڈال کر کال ریسیو کرنے لگا۔

''ہیلو...... وصان اسپیکنگ۔'' اس نے تمہید باندھی پر دوسری جانب سے جانے کیا کہا گیا کہ وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ ''تمہیں پہچانوں گا نہیں تو کسے پہچانوں گا جان وصی۔ کہو کیسے یاد ستائی ہماری اس وقت۔'' اس کے کھلکھلاتے بے تکلف انداز نے اریشہ کو چونکنے پر مجبور کردیا۔

''پلیز یار۔ خفگی کی دھمکیاں مت دیا کرو۔ نازک دل ہوں' سہہ نہیں پاؤں گا۔ ہاں پلیز بی لیومی۔ تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ ایک دم پکا ہے۔ مکمل تیاری رکھو جان بہار۔ اور اپنے پیار پہ یقین رکھو۔ اوکے۔'' پھول برساتے لہجے نے اس کا تن من سلگا دیا۔ وہ جھنجلا کر کہہ رہا تھا۔

''تم اس کا سوال مت اٹھایا کرو۔ سمجھو اسے زندگی سے خارج کردیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے وہ میرے لیے ہے ہی نہیں۔ بس تم مجھ پر اعتماد رکھو' بلکہ ٹھہرو۔ گو ٹائم کافی ہوگیا ہے لیکن تم ویٹ کرو۔ میں ابھی آرہا ہوں' اوکے۔ گڈ لک۔'' ریسیور چوم کر اس نے سلسلہ منقطع کردیا۔ پھر بیڈ سے اترنے لگا تو اریشہ بول پڑی۔

''یہ گھر سے باہر دلچسپیاں کب سے تلاش کرلیں ہیں آپ نے؟'' وہ عجیب ہرٹ ہوئی تھی۔ یہ احساس ہی کتنا تکلیف دہ تھا کہ وہ شخص جو اسے جنون کی حد تک چاہتا ہے اس نے اسے ریجیکٹ کردیا۔

''گھر میں دلچسپی تھی ہی کب میڈم۔ دروازہ اچھی طرح بند کرلینا۔ ویسے میرے خیال سے بہادر تو بہت ہو تم۔ میں ہوں نہ ہوں' کیا فرق پڑتا ہے۔'' بوٹ کے تسمے باندھتے ہوئے وہ بولا تو اریشہ چڑ گئی۔

''مجھے آپ کی پروا نہیں ہے۔ ایک چھوڑ پچاس لڑکیاں الجھائیں۔ لیکن اس وقت میں آپ کو جانے نہیں دوں گی۔'' اتنی غیر آبادی جگہ پر اتنا بڑا محل سا گھر' اتنی رات گئے اس کے ہوش اڑا دینے کے لیے کافی تھا۔ وصان کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

''محبت پچاس سے نہیں' صرف ایک ہی سے کی جاتی ہے' مس اریشہ۔ آپ مجھے روکنے کا کوئی حق نہیں رکھتیں۔ اوکے۔'' وصان کے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں حد درجہ بیگانگی تھی۔ وہ کمرے سے نکل چکا تھا۔ اریشہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔ ساری رات جیسے کانٹوں پر بسر ہوئی۔ پہلو بدل بدل کے تھک گئی لیکن نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ آپ ہی آپ بار بار بھر آنے والی آنکھوں کے نمکین پانی کا مفہوم سمجھنے سے وہ خود قاصر تھی۔ اسے تو خوش ہونا چاہیے تھا کہ اس کے اور کاشی کے مابین جو سب سے بڑی رکاوٹ تھی' وہ خود بخود دور ہورہی تھی پھر دل کو اب تکلیف کیوں ہورہی تھی؟

تنہائی کا خوف ساری رات اس پر غالب رہا۔ صبح ہونے میں کچھ ہی دیر تھی' جب وہ واپس آیا تھا۔ اریشہ کی سرخ آنکھیں اس کے رات بھر جاگنے کی چغلی کھارہی تھیں۔ وصان کو یک گونہ سکون ہوا۔

''سنو۔ صبح مجھے جلدی مت جگانا۔ بہت تھکن ہے۔'' بیڈ پر نیم دراز ہوتے اس نے اریشہ کو مخاطب

کیا۔
''آپ مجھے آزاد کب کر رہے ہیں؟'' رخ پھیرے پھیرے ہی اس نے بھرائے لہجے میں پوچھا۔
''جب تم چاہو۔ کہو تو ابھی۔'' پہلی بار اسے جلانے کا موقع ملا تھا سو خوب قرض چکا رہا تھا۔ اپنی اس قدر بے قدری نے اس کا دل دکھا دیا لیکن وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ وصان نے ہاتھ بڑھا کے اسے قریب کرتے ہوئے رخ اپنی طرف کرلیا۔ بھیگی بھیگی سرخ متورم آنکھوں میں گہرا کرب تھا۔
''کیا بہت یاد آرہی ہے کاشی کی؟'' بڑی بڑی روشن سیاہ آنکھوں سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے اس نے پوچھا۔
''ہاں۔ آج بہت یاد آرہی ہے اس کی۔'' دل کے ساتھ لہجہ بھی بھر آیا تھا۔
''بات کروگی اس سے؟'' اس کے اپنائیت بھرے جملے نے اریشہ کو چونکا دیا۔ ''محبت کا درد تو محبت کرنے والا ہی سمجھ سکتا ہے ناں ارشی...... مجھے سینہ سے محبت ہوئی ہے تو پتا چلا ہے کہ اس کا درد کیا ہوتا ہے۔ افسوس میں نے ناحق اتنے دن اپنی جھوٹی انا میں مقید تمہیں یہ دکھ دیا۔'' پاکٹ سے موبائل نکال کر نمبر ملاتے ہوئے اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا تو اریشہ اسے دیکھنے لگی۔ وہ تو سمجھتی تھی کہ وہ محبتوں کے مارے، عشق کے ہاتھوں مجبور اس کا جارحانہ رویہ برداشت کر کے بھی اسے اپنا نام دیے ہوئے ہے لیکن یہ آگاہی تو ابھی ہوئی تھی کہ وہ انا کے ہاتھوں مجبور تھا۔
''لو۔ کاشی سے بات کرو۔'' وصان نے موبائل اسے تھمایا تو وہ رو پڑی۔ دوسری طرف بے قرار کاشان مچل کر رہ گیا۔
''ارشی۔ جان، بات کرو مجھ سے۔ پلیز ارشی۔ بتاؤ تم کہاں سے بول رہی ہو؟'' وہ تڑپ رہا تھا۔
''آئی لو یو کاشی۔ لو یو ویری مچ۔ پلیز، میرے پاس چلے آؤ کاشی۔ پلیز۔'' فون پر ہی وہ سسک پڑی۔
وصان اداس نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔
''کاشی! وصان نے کہا ہے، وہ مجھے چھوڑ دے گا۔ وہ ہمارے راستے سے نکل جائے گا۔ تم...... تم مجھے سنبھال لو کاشی...... پلیز......'' گالوں پر متواتر بہتے آنسوؤں نے وصان کا دل جکڑ لیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل آف کر دیا پھر کھینچ کر اریشہ کو باہوں میں جکڑ لیا تو وہ اس کے سینے سے لگ کر بلک بلک کر رو پڑی۔
''پلیز آنسو مت بہاؤ اریشہ...... تم کاشی کو چاہتی ہو ناں۔ میں تم سے پرامس کرتا ہوں، بہت جلد تمہاری زندگی سے نکل جاؤں گا...... بہت جلد کاشی تمہارا ہوگا۔ اوکے۔'' بچوں کی طرح اسے چپ کراتے وہ اس کے آنسو پونچھنے لگا تو اریشہ ایک جھٹکے سے خود کو اس سے الگ کرتی ہوئی، کمرے سے باہر نکل گئی۔

❖❖❖

تین دن ہوگئے وصان گھر نہیں آیا تھا۔ وہ عجیب اداسی اور تنہائی کا شکار ہوگئی تھی۔ وہی گھریلو کام جو پہلے اسے رلا دیتے تھے اب اس قدر جلدی ختم ہوجاتے کہ وہ فرصت سے چڑنے لگتی۔ ہر روز وہ مختلف کھانے بناتی، دل لگا کر مختلف ڈشز تیار کرتی، صفائی ستھرائی کرتی لیکن وہ منتظر ہی رہتی مگر وصان گھر نہ آتا۔ اگر آتا بھی تو پل دو پل کے لیے رکتا، واش لے کر کپڑے بدلتا، بال بناتا، اچھی طرح تیاری کر کے پرفیوم کی خوشبو میں مہکتا، اس سے بات کرنا تو دور ایک نظر ڈالنا بھی گوارا کیے بغیر باہر نکل جاتا اور وہ منتظر ہی رہتی کہ وہ اس سے بات کرے، اس کا حال پوچھے۔ کم از کم اس پر کوئی ظلم ہی کرے۔ ہاتھ ہی اٹھائے۔ لیکن وہ تو بالکل بے پروا ہوگیا تھا۔
اس شام وہ جلدی ہی آگیا تھا۔ اریشہ کچن میں تھی، سو وہ ادھر ہی آگیا۔ اپنے کام میں محو اسے اس کی آمد کا پتا ہی نہ چلا۔
''لگتا ہے، مصروفیت کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی ہے

digest library.com

آپ کی؟'' اس کے کھلکھلاتے شوخ لہجے پر اریشہ نے یکدم پلٹ کر دیکھا۔ وہ بالکل قریب ہی کھڑا تھا۔ ایک پیاسی نظر اس پر ڈال کے وہ پھر سے کام میں محو ہوگئی۔

''بہت خوش نظر آرہے ہیں۔ کیا منزل مل گئی ہے؟'' آج کل جانے کیوں آپ ہی آپ لہجہ زخمی ہو جاتا۔

''منزل تو پتا نہیں کب ملے گی البتہ خوش میں واقعی بہت ہوں اور یہ خوش خبری ایسی ہے کہ تم بھی سنو گی تو کھل جاؤ گی۔'' اس نے چہک کر کہا۔ لیکن اریشہ نے سر جھکا لیا۔ وہ جانتی تھی' وصان آج کل کن مصروفیات میں الجھا ہے۔ یقیناً اسے آزادی کی خبر سنا کر خوشخبری کا عنوان دے گا۔ اور وہ جانے کیوں یہ نہیں چاہ رہی تھی۔

''کم آن یار۔ ایسی بھی کیا مصروفیت کہ خوشخبری سننے کا وقت نہ ملے۔'' پتا نہیں' وہ اس کی مصروفیات سے جھنجلا گیا تھا یا لا پروائی سے۔

''مجھے معلوم ہے۔ آج یقیناً آپ سینہ سے شادی کرنے جا رہے ہوں گے۔ لیکن یہ آپ کی ذاتی خوشی ہے اور آپ کی ذاتی خوشیوں سے میرا کوئی تعلق نہیں۔'' بنا اس پر نظر ڈالے' کام میں محو اس نے قطعی سرد انداز میں کہا۔

''واقعی۔ میری خوشیوں سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔'' شانوں سے تھامتے اس کا رخ اپنی طرف کر کے وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

''جی بالکل۔ آپ نے بالکل درست سنا ہے۔'' اریشہ کی آنکھوں میں جتنی بے رخی تھی' اتنا ہی الفاظ میں اعتماد تھا۔ ایک پھیکی سی مسکراہٹ وصان کے لبوں پر بکھر گئی' تاہم وہ اپنا بھرم رکھتے ہوئے بولا۔

''جناب' یہ خوشخبری میری ذاتی نہیں۔ ویسے تم تو اصرار کرو گی نہیں اس لیے میں خود ہی سنا دیتا ہوں۔ وہ بات دراصل یہ ہے کہ دعا بھابھی نے ایک پیارے سے خوب صورت منے کو جنم دیا ہے۔ بہت خوش ہیں

بدترین بیوی

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے کفر کے بعد مرد کے لیے سب سے بدتر چیز وہ بیوی ہے جو بداخلاق اور تیز زبان ہو، حادثات اور مصائب کے دوران شوہر کی مدد کرنے والی نہ ہو۔

(ازالہ: الخفاء صفحہ ۴۵)

(مسز پروین دلبر۔ اسلام آباد)

وہ۔ میں نے کل کے لیے تمہاری سیٹ اوکے کروا دی ہے۔ تیاری کر لینا۔ اوکے۔'' کچھ دیر اس کے چہرے پر خوشی کے عکس در عکس رنگ بکھرتے دیکھ کر وہ پلٹ گیا۔ اریشہ تو گویا مارے خوشی کے گنگ ہی ہوگئی' تاہم خوشی سے مسکراتے اس نے وصان کو آواز دی۔

''سنیئے۔ پلیز' ہم دونوں اکٹھے جائیں گے۔ اور...... اور میں منے کے لیے ڈھیروں شاپنگ بھی کروں گی...... پلیز۔'' اس نے اتنی بڑی خوش خبری سنائی تھی کہ اریشہ پاگل سی ہوگئی تھی۔

''سوری۔ آج میرا سینہ کے ساتھ ڈنر کا پروگرام ہے۔'' وصان نے ایک نظر اس کے گلاب چہرے پر ڈال کر سہولت سے معذرت کر لی۔ اریشہ کا کھلکھلاتا چہرہ بجھ گیا۔

''صرف آج کے لیے یہ پروگرام کینسل کر دیجئے۔ پلیز۔'' وہ التجا پر اتر آئی لیکن وصان نے اثر نہ لیا۔

''سوری اریشہ۔ میں نے بڑی مشکل سے سینہ کے روپ میں اپنا دکھ شیئر کرنے والا ساتھی ڈھونڈا ہے۔ میں اسے ناراض نہیں کر سکتا۔'' قطعی اجنبی انداز پر اریشہ تڑپ کر رہ گئی' تاہم پھر بنا کچھ بھی کہے رخ پھیر کے پلکوں پر آئے آنسو انگلیوں کے سپرد کرنے لگی۔ وصان کچن سے باہر نکل گیا۔ کمرے میں آیا تو گویا ٹھٹک ہی گیا۔ قرینے سے ترتیب شدہ ہر چیز نے

اسے اپنی جانب متوجہ کرلیا۔ عین وسط میں رکھی سیف پر اس کی اور اریشہ کی شادی کی بڑی سی فریم شدہ تصویر سجی تھی جسے وہ اپنے ساتھ لایا تھا لیکن اریشہ نے وہ تصویر کمرے سے ہٹادی تھی۔ پردے‘ الماری‘ بیڈ۔ سب میں نفاست اور صفائی جھلک رہی تھی۔ سیف میں اس کے تمام سوٹ پریس کیے رکھے تھے۔ شیونگ کا سامان‘ جرابیں‘ بنیان‘ سب قرینے سے ایک سائیڈ پر دھرے تھے۔ وہ حیران ہی تو رہ گیا۔ چند ہی دنوں میں گویا انقلاب آ گیا تھا۔ حیرانی سے مسکراتا وہ پھر سے کچن میں آ گیا جہاں اریشہ بے دردی سے پھسل آنے والے آنسوؤں کو صاف کررہی تھی۔

’’سنو‘ جلدی سے تیار ہوجاؤ۔ میں نے بی سے معذرت کرلی ہے۔ کس دل سے کی ہے‘ یہ تو صرف میں ہی جانتا ہوں‘ بہرحال تم فٹافٹ تیاری کرلو۔‘‘ احسان جتانے والے انداز میں وہ جلدی جلدی بولا تو اریشہ نے چونک کر بے یقینی سے اسے دیکھا پھر کچن سے نکل گئی۔ خوب دل لگا کر تیار ہوئی۔ وصان دیکھتا ہی رہ گیا۔ قدرتی حسن سے تو وہ پہلے ہی مالا مال تھی‘ اب جو میک اپ کیا تو گویا اس کے ہوش ہی اڑ گئے۔ بمشکل مچلتے دل کو سنبھالا۔ اریشہ نے پہلی بار اس کے پیسوں سے جی بھر کر شاپنگ کی اور پہلی بار ہی تو وصان خوشی سے بے حال ہوا تھا ورنہ وہ ان چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے لیے کتنا ترس گیا تھا‘ اس کا بھی جی چاہتا تھا کہ وہ اسے چاہے۔ وہ دیر سے گھر آئے تو جھگڑا کرے پھر وہ سو سو جتن کرکے اسے منائے۔ اریشہ اپنے ہاتھوں سے اس کے چھوٹے چھوٹے کام کرے‘ کھانا بنائے۔ اس کے لیے خود کو سنوارے۔ اسے ضرورت کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے کہے۔ فرمائش کرے لیکن وہ تو ہمیشہ درمیان میں فاصلے قائم کیے رہی اور آج اپنی خوشی میں بے حال اس نے اجنبیت کی یہ دیوار گرائی تو اس کے صدقے اسے بھی خوشی مل گئی تھی۔

شاپنگ سے فارغ ہوکر وصان اس کے انکار کے باوجود اسے آئس کریم پارلر میں لے آیا۔ آج وہ خوش تھا اور اپنی خوشی کو جی بھر کے سیلبریٹ کرنا چاہتا تھا۔ وہ لوگ گھر آئے تو کافی تھک چکے تھے۔ اریشہ بے حد خوشی سے اپنی خریدی ہوئی ایک ایک چیز کو دیکھ کر خوش ہورہی تھی اور وہ بس یک ٹک اسے دیکھ کر خوش ہورہا تھا۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا‘ جب وہ چیخ کر اٹھ بیٹھی تھی۔ لمبے لمبے سانس بھرتی وہ پسینے سے شرابور تھی۔ وصان جو صوفے پر گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا‘ ہڑبڑا کے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اریشہ پر نظر پڑی تو بھاگ کر اس کے پاس آ گیا جو سہمی سہمی سی اپنے اردگرد دیکھ رہی تھی۔

’’ارشی‘ کیا ہوا جان۔ تم ٹھیک تو ہوناں؟‘‘ محبت و پریشانی سے اس کے بال سنوارتے وہ فکرمندی سے گویا ہوا تو اریشہ چونک کر اسے دیکھنے لگی پھر جی میں جانے کیا آئی کہ اس کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وصان کو اپنا دل کٹتا ہوا محسوس ہوا۔ اسے بانہوں کے حلقے میں لیے وہ مسلسل چپ کروانے کی کوشش کرتا رہا۔ اریشہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی‘ اس نے نہایت بھیانک خواب دیکھا تھا۔ خواب میں ڈھیروں پھولوں‘ سبزے اور خوب صورتی میں گھری وہ بھیڑ کے چھوٹے سے بچے کو گود میں لیے کھیل رہی تھی۔ اس سے کچھ ہی فاصلے پر پیٹھ کیے وہ شخص بیٹھا تھا جس سے وہ بے حد محبت کررہی ہوتی ہے لیکن اچانک ہی کوئی بدصورت اجنبی مخلوق آتی ہے اور اس نوجوان کو خون میں نہلا دیتی ہے جس سے وہ باتیں کررہی ہوتی ہے۔ وہ چیختی ہے‘ مچلتی ہے‘ دہائیاں دیتی ہے لیکن کوئی اس کی ایک نہیں سنتا۔ تڑپتی مچلتی وہ اس مخلوق پر جھپٹ پڑتی ہے جس نے اس نوجوان کو قتل کیا ہوتا ہے اور وہ اس وقت حیرانی سے ساکت رہ جاتی ہے‘ جب کاشان کا مسکراتا چہرہ اس کے سامنے

digest library.com

آتا ہے۔ وہ بھاگ کر نوجوان کے پاس جاتی ہے۔ اسے سیدھا کرتی ہے تو یہ دیکھ کر ششدر رہ جاتی ہے کہ وہ وصان تھا۔ وہ روتی ہے، تڑپتی ہے لیکن کاشان اسے گھسیٹتا، کھینچتا دور ہی دور لے جاتا ہے اور تب ہی اس کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ دل بری طرح اچھل پتھل ہو رہا تھا۔ پہلی بار وصان کی قربت اسے قابل نفرت نہیں بلکہ ایک تحفظ کا احساس لگ رہی تھی۔ رات جیسے تیسے بیت گئی لیکن دل عجیب کافر ہوگیا۔ ہمک ہمک کر اس کی قربت کی خواہش کرنے لگا۔ طبیعت ذرا سنبھلی تو اس نے سفری پیکنگ شروع کی۔ وصان بھی اس کی ہیلپ کرواتا رہا۔ بائی پلین صرف ڈھائی گھنٹے میں ہی وہ دعا بھابی کے قریب تھی اور خوب شکوہ کناں تھی کہ اتنی بڑی خوش خبری اس سے چھپا کے کیوں رکھی؟ ساتھ ہی ساتھ چھوٹے سے بھتیجے کو گود میں لیے چومتی رہی۔ وصان مسکرا مسکرا کے اسے دیکھتا رہا اور بھابی سے گفتگو بھی کرتا رہا۔ اسے لگا، وہ حقیقی خوشیوں میں گھر گئی ہے۔ لیکن دل عجیب دو کشتیوں میں سوار ہوگیا تھا۔ وہ کاشی سے محبت کی دعویدار بھی تھی اور اب وصان کا ساتھ بھی اسے عزیز ہوگیا تھا۔

اسے ایک ہفتہ ہوگیا تھا یہاں آئے لیکن کاشان سے رابطہ نہ ہوسکا تھا۔ دعا بھابی کی معرفت علم ہوا کہ وہ آجکل آؤٹ آف سٹی ہے۔ وہ سارا دن منے میں کھوئی رہتی اور وصان آفس میں۔ اس روز جی میں جانے کیا آئی کہ وہ پاپا جی کے آفس چلی آئی۔ ایک پل کے لیے تو پاپا جی کی یاد نے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر دیں لیکن پھر وصان کا خیال کر کے اس نے آنسو پونچھ لیے۔ وہ اس کے روم میں داخل ہوئی تو سیکریٹری کو اس پر تقریباً جھکے دیکھ کر سلگ سی گئی۔

"لگتا ہے، یہاں بہت ہی ارجنٹ کام ہو رہا ہے جو اردگرد کا ہوش ہی نہیں۔" میز پر ہاتھ مارتے وہ ترشی سے بولی تو وصان نے قدرے چونک کر سر اوپر اٹھایا۔

امپورٹڈ

بجائے کار وہ بیوی نئی امپورٹ کرتے ہیں
اگرچہ اس بکھیڑے میں بھی پیسہ کم نہیں لگتا
کہا اس شخص نے امپورٹڈ کے بارے میں
یہ وہ دولت ہے جس کا پورٹ پر کسٹم نہیں لگتا

(ارم الیاس خانزادہ۔ منڈوالہ یار)

مدد و تعاون

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "جو شخص کسی کی مدد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی کسی ضرورت کے وقت مدد کرتا ہے۔"

(صائمہ نذیر۔ کراچی)

پھر اسے اپنے سامنے دیکھ کر گویا حیران ہی تو رہ گیا۔

"ارے تم۔ تم کب آئیں؟" اپنی سیٹ سے اٹھتے ہوئے وہ مسکرا کے بولا تو اریشہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"تمہیں کوئی ہوش ہو تو کسی کے آنے جانے کا علم ہونا؟" لہجے میں ہنوز وہی مرچیں تھیں۔ وصان کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

"لگتا ہے، آج یہ صاحبہ نیند میں چل کر آئی ہیں۔" اسے واقعی اریشہ کو دیکھ کر خوشی ہو رہی تھی۔ "شکر ہے خوشی ہو رہی ہے۔ حیرانی ہو رہی ہوتی تو واپس چلی جاتی۔" اسے خود سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ اسے شیئر کیوں نہیں کر پا رہی، جبکہ محبت کا دعویٰ بھی نہیں۔

"فار گاڈ سیک یار۔ یہ جھگڑا گھر میں کر لینا۔ فی الحال تو ان سے ملو۔ یہ ہیں نیو آفس سیکریٹری مس نوشینہ آفندی۔ اور نوشی، یہ میری مسز ہیں اریشہ وصان۔" وصان نے اس کا تعارف کرواتے ہوئے سیکریٹری کو مطلع کیا تھا لیکن وہ تو بس اس کے منہ سے نکلے اپنے نئے نام میں الجھ گئی تھی۔ کتنا اچھا لگا تھا، اس کے منہ سے "اریشہ وصان" سننا۔ سیکریٹری نے مسکرا

کے ''ہیلو میڈم'' کہا تو اس نے بھی مسکرا کے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کا جواب دے دیا۔

''جی کہیئے جناب۔ آج اچانک چھاپہ مارنے کی نوبت کیوں در پیش آئی آپ کو؟'' سیکریٹری کو فارغ کر کے وہ اس کی طرف رخ کرتے ہوئے شوخی سے بولا۔

''مجھے بھابی' منے اور اپنے لیے کچھ شاپنگ کرنا تھی۔ بھیا کو اپنے کاموں اور مشاغل سے فرصت نہیں' اس لیے آپ کے پاس چلی آئی۔''

''چلو اچھا کیا۔ خدا کا شکر ہے جو ہم بھی کسی کام آئے۔'' مسکراتے ہوئے اس نے کہا پھر کوٹ سنبھالتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ تو اریشہ بھی اس کے پیچھے ہی کمرے سے باہر نکل آئی۔

''ویسے ایسے سرپرائز دیتی رہا کرو۔ اچھا لگتا ہے۔'' گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے اس نے کہا لیکن اریشہ خاموش رہی۔ اپنے لیے تو اسے کیا شاپنگ کرنا تھی' حقیقت تو یہ تھی کہ اسے کاشی کے لیے گفٹ خریدنا تھا۔ وہ ہمیشہ سب سے پہلے اسے وش کرتی تھی اور جواب میں کاشی اسے اچھا سا ڈنر کراتا تھا اور وہ شام ان دونوں کے لیے یادگار ہو جاتی تھی۔ پہلی سی دیوانگی نہ سہی لیکن وہ اس کی برتھ ڈے کو نہیں بھولی تھی۔

''سنو۔ اگر کوئی آپ کو تحفہ دینا چاہے تو آپ کو سب سے اچھی چیز کیا لگتی ہے۔'' وہ اسے ڈھیروں پرفیومز' بوکے' ڈائریاں دے چکی تھی' اس لیے اس بار جاننا چاہتی تھی کہ مرد کو ان کے علاوہ کیا چیز اچھی لگ سکتی ہے۔

''مجھے تو محبت اچھی لگتی ہے جتنی بھی دے دو۔'' وہ شوخی سے گویا ہوا تھا۔ پھر اس کی سنجیدگی دیکھ کر خود ہی کہنے لگا۔ ''ایک اچھی سی خوب صورت شرٹ'' جسے جب بھی پہنوں' دینے والے کی محبت کی خوشبو آئے۔''

پتا نہیں وہ اسے اپنی پسند بتا رہا تھا یا اس خوش فہمی میں پاگل ہو رہا تھا کہ اریشہ نے اس کے لیے تحفہ خریدنے کا فیصلہ کیا ہے۔ وصان کی بات اسے بے حد معقول لگی' اس لیے اس نے اپنی پسند سے ایک بہت خوب صورت تھری پیس سوٹ خرید لیا۔ اسے پیک کروا کے ابھی وہ پلٹنا ہی چاہتی تھی کہ کاشی سے ٹکرا گئی۔

''ارے تم یہاں۔'' خوشگوار حیرانی سے وہ بولی تو کاشی مسکرا دیا۔

''مجھے بھلا دیا ناں تم نے ارشی۔'' وہی شکوے سے پر محبت بھرا لہجہ۔ اریشہ کا سر جھک گیا۔ وصان کو اپنا دل جکڑتا ہوا محسوس ہوا۔

''میں کبھی تمہیں بھلا نہیں سکتی کاشی۔ یہ لو۔ تمہاری برتھ ڈے پر میرا ہدیۂ خلوص۔ میری دعا ہے' تم ہمیشہ خوش رہو اور لمبی عمر پاؤ۔'' وصان کے ہاتھ سے گفٹ لے کر اس نے کاشی کو تھما دیا۔ جسے اس نے شکریے کے ساتھ قبول کر لیا۔ وصان خالی خالی آنکھوں سے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اسے لگا' جیسے کسی نے اس کا دل نکال کر پاؤں تلے کچل دیا ہو۔ جیسے کسی نے محبت کا یقین دلا کر منہ پر اجنبیت کا طمانچہ دے مارا ہو۔ بمشکل ایکسکیوز کرتا ہوا وہ اریشہ کو وہیں چھوڑ کر ان کے درمیان سے نکل آیا۔

جانے وہ واقعی بزنس میں مصروف تھا یا اپنی کسی مصروفیت میں لیکن مسلسل ایک ہفتے سے اس کی گھر سے عدم موجودگی نے اریشہ کا دل کملا کر رکھ دیا تھا۔ وہ ہر ہر آہٹ پر چونک جاتی۔ بھابی اس کی دلی کیفیت سے بخوبی آگاہ تھیں' تب ہی تو محبت سے سمجھاتیں کہ پیار اور جذباتی محبت میں کتنا فرق ہے اور اریشہ اس حقیقت کو سمجھ کر بھی نہ سمجھنے کی کوشش میں تھی۔ ہر رات نیند آنکھوں سے اوجھل ہوتی لیکن اس روز جانے کیسے نیند کی دیوی اس پر مہربان ہو گئی تھی۔ رات کے کسی پہر ہی اسے اپنا وجود مضبوط شکنجے میں جکڑتا محسوس ہوا تو اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ اس کا نازک وجود وصان کی مضبوط گرفت میں تھا۔ اپنے دفاع کے لیے اس نے خود کو اس سے دور کرنا چاہا لیکن وصان کی

digest library.com

طاقت کے سامنے اس کا احتجاج کمزور کوشش ثابت ہوا۔ وہ باوجود چاہنے کے خود کو اس سے دور نہ کر پائی۔ دل کی دھڑکنیں اتھل پتھل ہو رہی تھیں۔ پورا وجود پسینے میں شرابور ہو گیا تھا۔ بھلا وہ اس کی اتنی قربت کی عادی کہاں تھی کہ اس کی گرم سانسیں اپنے چہرے پر محسوس کرے۔

صبح کب ہوئی اسے پتا ہی نہ چلا۔ آج تو وہ اپنے آپ سے بھی جھجک رہی تھی۔ آنکھ کھلی تو اچھی بھلی روشنی پھیل چکی تھی۔ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر وہ کمرے سے نکلنا ہی چاہتی تھی کہ نظر ٹیبل پر پڑے تازہ پھولوں کے گلدستے اور ان کے ساتھ ملحقہ ایک سفید کاغذ پر پڑی۔ حیرانی سے دھیرے دھیرے چلتی وہ ٹیبل کے قریب آئی اور کاغذ اٹھا لیا۔ تجسس سے اسے کھولا اور تحریر پر نظریں جما دیں۔ لکھا تھا۔ ''پیاری اریشہ! تمہیں یہ جان کر یقیناً خوشی ہوگی کہ آج میں حقیقت میں تمہاری زندگی سے دور اور بہت دور جا رہا ہوں۔ میں تھک گیا اریشہ۔ میں تمہاری اور کاشی کی پرخلوص محبت سے ہار گیا۔ واقعی محبت بس ایک فریب نہیں ہوتی اور نہ ہی بھیک میں ملتی ہے۔ لیکن میں نے تمہیں چاہا ہے اریشہ دل کی گہرائیوں سے۔ اسی لیے تمہاری خوشی پر اپنی محبت کو قربان کر رہا ہوں۔ تمہارے ٹیبل کی دائیں دراز میں ایک خاکی لفافہ پڑا ہے۔ اس میں ڈائیورس پیپرز ہیں۔ سائن کر دینا۔ ہو سکے تو مجھے میرے گناہوں کے لیے معاف کر دینا اور میرے حق میں دعا کرنا کہ میں تم سے بچھڑ کر پرائے دیس میں خود کو سنبھالے زندگی کا بوجھ اٹھا سکوں۔ میری دعا ہے کہ خدا تمہیں تمہاری محبت کی چھاؤں میں ہمیشہ خوش اور آباد رکھے۔ آمین۔ وصان احمد۔''

اسے پتا ہی نہ چلا' آنسو کب پلکوں کی باڑ توڑ کر گالوں پر پھسل آئے۔ بھلا یوں بھی محبت کی جاتی ہے وصان۔ کوئی یوں بھی کسی کو چاہتا ہے۔ جیسے تم نے مجھے چاہا۔ اس کا دل چاہا' وہ زور زور سے ہنسے۔ اپنی محبت کی قربانی میں ایک محبت کرنے والے کی قربانی پر قہقہے لگائے۔ محبت کا جشن منائے لیکن دل عجیب اداس ہو گیا تھا۔ وہ کمرے سے باہر آئی تو دعا بھابی اسے دیکھ کر ہلکا سا ہنس پڑیں۔

''مبارک ہو ارشی۔ بالآخر تم نے اپنی منزل پا ہی لی۔'' ان کا بظاہر عام سا انداز بھی اسے سخت طنزیہ محسوس ہوا۔

''تم نے محبت کا دل دکھایا ہے ارشی۔ میری دعا ہے محبت کبھی تمہارا دل نہ دکھائے۔ جاؤ کاشی کو بتا دو کہ تمہیں رہائی مل گئی۔'' سخت لہجے کے باوجود ان کی آواز بھر آئی۔ اریشہ نے آنسوؤں بھری پرنم آنکھیں اٹھا کر ایک نظر انہیں دیکھا پھر گھر سے باہر نکل آئی۔ پورچ میں صارم بھیا اور وصان دونوں کی گاڑیاں موجود تھیں۔ اس نے وصان کی گاڑی استعمال کی اور کاشان کے آفس کی طرف روانہ ہو گئی۔ پندرہ منٹ کے بعد وہ اس کے آفس میں تھی۔ سارا اسٹاف چونکہ اس سے واقف تھا سو وہ بڑی آسانی سے سیکریٹری سے کاشی کی موجودگی کا پوچھ کر اس کے کمرے کی طرف چلی آئی لیکن اندر سے گونجتے نسوانی قہقہے نے اس کے قدم وہیں روک دیئے۔

''کہاں گیا ہوگا بے چارہ وصی؟'' قہقہے کے بعد کسی نے سوال کیا تھا۔ ''جہاں بھی جائے مجھے کیا۔ میرے لیے تو یہی کافی ہے' وہ میرے راستے سے نکل گیا۔ اب اریشہ بھی میری ہے اور اس کی تمام پراپرٹی بھی۔ محبت اور دولت کسی خوش نصیب کو ایک ساتھ ملتی ہیں اور میں خود کو خوش نصیب کہنے سے ہرگز نہیں ہچکچاؤں گا۔'' بلاشبہ آواز کاشی ہی کی تھی۔ ارشی کو اپنے کان سائیں سائیں کرتے محسوس ہوئے۔ اسے لگا' ساتوں آسمان ایک دم اس کے سر پر آن گرے ہوں۔ بوجھل دل اور بے جان قدموں سے چلتی وہ اس سے ملے بغیر آفس سے باہر آ گئی۔ کانپتے ہاتھوں سے گاڑی میں پڑا وصان کا موبائل اٹھا کر گھر کا نمبر

ڈائل کیا۔

"بھابی! پلیز بتا دیجئے' میرا وصی کہاں ہے۔" دعا بھابی کی آواز سنتے ہی وہ سسک پڑی۔

"وہ ہمیشہ کے لیے یورپ جارہا ہے ارشی' خود کو تباہ کرنے۔ زندگی سے انتقام لینے۔ اسے روک لو۔ گیارہ بجے اس کی فلائٹ ہے۔ وہ چلا گیا تو تمہارے پاس کچھ بھی نہیں رہے گا چندا۔ اسے روک لو۔" بھابی کی بلکتی آواز میں اسے اپنا دل تڑپتا محسوس ہوا۔

گیارہ بجنے میں پندرہ منٹ باقی تھے اور ایئرپورٹ کا فاصلہ بہت زیادہ تھا۔ فل اسپیڈ سے ڈرائیو کرتی وہ بمشکل ایئرپورٹ پہنچی۔ اپنا آپ سنبھالے بنا بھاگتی ہوئی لاؤنج تک آئی لیکن وقت نے اسے مات دے دی تھی۔ لندن جانے والی فلائٹ جاچکی تھی۔ ٹوٹتی بکھرتی وہ وہیں بینچ پر بیٹھ کر اپنا سانس بحال کرنے لگی۔ رہ رہ کر وصان کا چہرہ نگاہوں کے حلقے میں آنے لگا۔ دل کو بری طرح اس کی یاد ستانے لگی۔ اسے لگا' وہ زندگی کی سب سے بڑی بازی ہار گئی ہے۔ کتنی ہی دیر وہیں بیٹھے رہنے کے بعد دوپٹے سے بے نیاز' بکھرا بکھرا حلیہ لیے' لٹی پٹی سی وہ ایئرپورٹ لاؤنج سے باہر نکل آئی۔ ایک وہ کیا گیا' اسے لگا سارا شہر ہی بے رونق سا ہوگیا۔ کہیں زندگی کی کوئی رمق باقی نہ رہی ہو۔ محبت نے اس کا دل دکھایا تھا۔ دعا بھابی کی دعا مستجاب نہیں ہوئی تھی۔ کانپتے ہاتھوں سے اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔

"مجھے لیے بغیر ہی واپس جارہی ہو ارشی۔" وصان کی مانوس آواز پر اس نے چونک کر پیچھے دیکھا اور اسے اپنے سامنے دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ وصان کے گلابی گداز ہونٹوں پر دھیمی مسکراہٹ بکھری تھی۔ بلیک پینٹ آف وائٹ شرٹ میں وہ بڑا وجیہہ لگ رہا تھا۔

"آ...... آپ......؟" وہ بوکھلا ہی تو گئی تھی۔

وصان کی ستارہ سی آنکھوں میں نہ کرب تھا' نہ وحشت' روشنی ہی روشنی تھی۔

"ہاں ارشی۔ میرے جہاز میں سوار ہونے سے قبل ہی دعا بھابی کے ایمرجنسی فون نے میرے بڑھتے قدم روک لیے۔ انہوں نے مجھے بتادیا کہ میری دعائیں مستجاب ہوگئی ہیں۔" آنکھوں میں جتنی چمک تھی' لہجے میں اتنی ہی سرشاری۔ مارے خوشی کے اریشہ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

"ناں...... ناں ارشی...... اب یہ آنسو کبھی نہیں بہیں گے۔ سمجھیں تم؟" تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے آنسو اپنی انگلی کی پور میں جذب کرتے ہوئے اس نے کہا تو اریشہ اس کے کندھے پر سر ٹکا کے سسک پڑی۔

"آپ مجھے اکیلا چھوڑ کر جارہے تھے وصی۔ کوئی یوں بھی کرتا ہے۔" آپ ہی آپ آنسوؤں کے ساتھ شکوہ لبوں پر آگیا۔ وصان کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

"کیا ہوا کاشی کی محبت کا بھوت اتر گیا سر سے؟"

"میرے سر سے تو اتر گیا ہے' آپ اپنے دل کا حال سنائیں۔" حسب عادت اس کی شرٹ کے بٹنوں سے کھیلتے وہ روٹھے سے لہجے میں بولی۔

"اوہ مائی گاڈ...... یار وہ تو تمہارے دل میں اپنی محبت کی داغ بیل ڈالنے کی ہلکی سی کوشش تھی' وگرنہ قسم سے تمہارے علاوہ کسی اور کو کبھی سوچا ہی نہیں...... مت پوچھو' کتنی اذیت میں گزرے وہ دن۔ چلو خیر جلدی چلو' دعا بھابی شدت سے ہماری منتظر ہوں گی اور ہمیں بھی تو ان کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ ہے ناں؟" محبت سے اس کے ہاتھ تھامے وصان نے مسکرا کر کہا تو اریشہ نے بھی مسکرا کر اثبات میں سر ہلادیا۔ پرخلوص محبت کی سچی خوشبو ان کے اردگرد اطراف میں بکھر رہی تھی۔ خوشی اور ملاپ کی مسرت سے سرشار' ہنستے مسکراتے وہ دونوں گھر کی جانب روانہ ہوگئے۔

digest library.com